AUGUST 2007

ماہنامہ

گوجرانوالہ

فلاحِ آدمیّت

Reg: CPL No. 80

اگست

2007

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

محبّت

اللہ

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پروازِ مسلسل

☆ موجودہ دور کے عظیم صوفی اور بانی سلسلہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی تعلیم کا علمبردار۔

☆ رُہبانیت اور شرک سے پاک اور قرآن وسنت کے عین مطابق راہ فقر کی تعلیم کا داعی۔

☆ وحدتِ اُمت، اکرام انسانیت اور فلاح آدمیت کا ترجمان۔

☆ فرقہ واریت، غصہ اور نفرت ختم کر کے عالمگیر محبت اپنانے کا نقیب۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

منشورِ دعوت

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّ خِيْفَةً
وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ
وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ط

الاعراف۔ 205

ترجمہ

اپنے رب کو اپنے دِل میں عاجزی اور ڈر کے
ساتھ، اُونچی آواز نکالے بغیر، صبح وشام
یاد کرو۔ اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔

ماہنامہ

آدمیت سے فلاح

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

جلد 10 شمارہ 11 اگست 2007ء رجب 1428ھ

بیادگار **خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ**

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ایڈیٹر **وحید احمد**

قیمت ———— -/20 روپے   سالانہ فنڈ ———— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835

Mob: 0300-6493335

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

وحید احمد

تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:055-3881379

Mob:0300-7409533

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-55-4222020

E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

(درسِ قرآن)

توحید الٰھی

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملکؒ)

اس سے آگے توحید کے موضوع پر چند ایسی آیات ہیں کہ انہیں پڑھتے ہوئے انسان کانپ اٹھتا ہے۔اس کے بعد انسان کے مقصدِ تخلیق کو ایک نئے اور اچھوتے انداز میں بیان فرمایا۔ان آیات میں توحید کی ایک عجیب جھلک نظر آتی ہے اور کلام میں عجب شاہانہ انداز ہے۔ان میں سے ایک آیت درج ذیل ہے:

وللّٰہ الاسمآء الحسنٰی فادعوہ بھا ص وذرواالذین یلحدون فی اسمائِہ۔ سیجزون ما کانوا یعملونo

''اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں۔تم اُس کو اُس کے ناموں سے پکارو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی (اختیار) کرتے ہیں۔اُن کو چھوڑ دو۔وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے''۔ (الاعراف:180)

شانِ رسالت کے بارے میں درست رویّہ

موحدین اور منکرین کے تذکرے کے بعد شانِ نبوت میں گستاخی کرنے والوں کو تنبیہہ ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

واملی لھم ط ان کیدی متینo

اولم یتفکروا سکتہ مابصاحبھم من جنۃط ان ھوالانذیرمبینo

''اور میں ان کو مہلت دیئے جاتا ہوں۔میری تدبیر (بڑی) مظبوط ہے۔کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے رفیق (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو (کسی طرح کا بھی) جنون نہیں ہے،وہ تو اعلانیہ طور پر ڈرانے والا ہے۔''(الاعراف:184)

علمِ غیب اور نفع ونقصان کا مالک صرف اللہ

اس میں وضاحت ہے کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ مہلت دیئے جاتا ہے اور پھر ایک دم اس کی گرفت کی جاتی ہے اور سخت ترین عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔اس موضوع کے بارے میں ذکر ہے کہ آیا کسی نبی ولی کو کسی کی

بگڑی بنانے یا کسی کے نفع ونقصان کا اختیار ہے یا نہیں؟ کیا اللہ اور رسول ﷺ کو اپنے طور کلی اور مطلق علم غیب حاصل ہے یا صرف اتنا علم ہے جتنا کہ اللہ تعالٰی نے انہیں کسی مصلحت کے تحت عطا کر دیا؟ مندرجہ ذیل آیت حجت قاطعہ ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔ آیت اوران کا ترجمہ پیش ہے:

قل لا املك لنفسي نفعا ولاضرا الاماشآالله ط ولوكنت اعلم الغيب لاستكثرت من الخيرج وما مسني السوء ج إن انا الا نذير و بشير لقوم يومنون o

''(اے محمد ﷺ اُن کو) بتا دیجئے کہ میں اپنی ذات کیلئے کسی نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ ہی جو کچھ چاہتا ہے، وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کیلئے جو میری بات مانیں''۔ (الاعراف:188)

اس آیت کریمہ کا پس منظر یوں ہے کہ کفار مکہ قیامت کا ذکر سنتے تو آپ سے یہ سوال کرتے کہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟ بعض شر پسند یوں کہنے لگے کہ اگر اس شخص پر اللہ کی وحی آتی ہے تو اس سے پوچھا جائے کہ مختلف علاقوں میں مختلف موسموں کے اعتبار سے کاروباری فوائد کس جگہ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ آپ نے واضح کر دیا کہ میرا کام چھپے اور مستقبل کے حالات کی خبریں اور کاروباری فوائد بتانا نہیں بلکہ میں تو اللہ کے عطا کردہ علم کی بدولت آخرت کے عذاب سے خبردار کرنے آیا ہوں۔ اسی مضمون توحید کو آگے چل کر یوں ذکر فرمایا کہ یہ مشرک جن معبودوں (انبیاء کے مجسمے اور دیگر مخلوقات) کی عبادت کرتے ہیں، اُن کی حالت تو اللہ کے ہاں یہ ہے:۔

ولا يستطيعون لهم نصرا ولا انفسهم ينصرون وان تدعوهم الى الهدى لا يتبعوكم۔

''اور نہ وہ اُن کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد آپ کر سکتے ہیں اور اگر تم اُن کو سیدھے راستے کی طرف بلاؤ تو وہ کہا نہ مانیں گے''۔ (الاعراف:192 تا 193)

اِس بات کی مزید وضاحت درج ذیل آیات میں ہے:۔

اِن الذین تدعون من دون اللّٰہ عباد امثالکم (الاعراف:194)

''(مشرکو) جن کوتم اللہ کےعلاوہ پکارتے ہو،وہ تمہاری ہی طرح کے بندے ہیں''

یہ مقام اس بات کی تفصیل کا ہے۔اختصار کےساتھ بات یوں سمجھ لیں کہ مشرک کبھی بھی بت کو پتھر سمجھ کرنہیں پوجتا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ جس شخص کی شبیہ یا مجسمہ سامنے ہے،اس کی روح اس میں حلول کرگئی ہےاور وہ روح مجھے یوں عبادت کرتے دیکھ کرخوش ہوتی ہےاور پھر شیطان اسی انداز اوران تخیلات کونئی نئی شکلیں دیتا رہتا ہے۔

مشرکین کی گوشمالی

مشرکین کی مزید گوشمالی اور تنبیہہ کیلئے اللہ رب العزت نے نبی اکرم ﷺ کومخاطب کرکے فرمایا کہ ان مشرکین سے دریافت کریں کہ تمہارے زعم کے مطابق تو یوں ہے کہ مجھے ان بتوں سے دشمنی ہےاور میں ان کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہورہا ہوں۔نیز یہ کہ عنقریب یہ بت (معبود) مجھے عتاب کانشانہ بنالیں گے۔

الھم ارجل یمشون بھآ ز ام لھم اید یبطشون بھآ ز ام لھم اعین یبصرون بھآز ام لھم اذان یسمعون بھاط

''بھلاان کے پاؤں ہیں جن سےچلیں یاہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سنیں؟''(الاعراف:195)

ظاہر ہے یہ بت یامجسمے جن کومختلف اشکال میں تراشا گیا ہے بالکل حرکت تک کرنے کی سکت نہیں رکھتے اور اگران تمام صراحتوں اور واضح گفتگو کے بعد بھی ان کی عبادت کرتے ہواور میرے بارے میں تمہارا یہ زعم ہے کہ میں ان بتوں کی گستاخی کے باعث کسی وبال کاشکار ہوں گا تو یہ میرااعلان ہے:

قل ادعواشرکآء کم ثم کیدون فلا تنظرونo

''اپنے شریکوں(معبودوں)کوبلالواورمیرے بارے میں(جو)تدبیر(کرنی ہو)کرلواور مجھے مہلت نہ دو۔''(الاعراف:195)

اورپھر دیکھ لینا کہ وہ میرا کیابگاڑ لیتے ہیں لیکن آ ؤاب میں حقیقت حال کومزیدواضح کردوں کہ یہ سب مل کربھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ

ان ولی اللہ الذی نزل الکتب وھو یتولی الصلحین o

''میرا حامی و ناصر اور میری حفاظت کرنے والا وہ خدا ہے جس نے یہ کتاب نازل کی اور وہ نیک آدمیوں کی حمایت کرتا ہے۔'' (الاعراف:196)

نصرتِ الٰہی قرآن سے تعلق پر موقوف ہے

یہاں ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی میری حامی و ناصر ہے کیونکہ اُسی نے میری ہدایت و اصلاح کیلئے کتاب نازل کی ہے۔ یہاں لطیف اشارہ ہے کہ اس کا حامی و ناصر ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اس کی نازل کردہ کتاب سے میں کتنا تعلق پیدا کر پاتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس یقین دہانی کے بعد نہایت ہی کریمانہ سلوک کرنے کا حکم دیا۔

مبلغ کی شان

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

خذ العفو وامر بالعرف واعرض عن الجھلین o واما ینزغنک من الشیطن نزغ فاستعذ باللہ ط انہ سمیع علیم o (الاعراف:199۔200)

''(اے محمدؐ) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کرلو اور شیطان کسی طرح کا کوئی وسوسہ ڈالے تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے''

خلاصہ کلام

اب سورہ کے مضامین کی تکمیل ہورہی ہے تو سورہ کے مضامین کا خلاصہ یوں ذکر فرمایا:

قل اِنما اتبع ما یوحٰی الی من ربی۔ ھذا بصائر من ربکم وھدی و رحمۃٌ لقوم یومنون o

واذا قری القراٰن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون o

''(اے پیغمبر) کہہ دیجئے! کہ میں تو اُسی (اللہ) کے حکم کی پیروی کرتا ہوں۔ یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو اسے قبول کریں۔ جب قرآن تمہارے سامنے پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنو اور خاموش رہو شاید کہ تم پر بھی رحمت ہو جائے''۔ (الاعراف:203۔204)

دراصل قرآنِ مجید کی تلاوت کے وقت توجہ اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے کا حکم ہے، اس لئے کہ قرآنِ کے معانی کو سمجھ کر سننا چاہئے، اس نیت سے کہ اس کو ہم اپنائیں گے، اس کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگ لیں گے، اس کو تذکر کہتے ہیں اور تلاوت کے یہی دو آداب ہیں، تدبّر اور تذکّر۔ یعنی غور سے سوچ سمجھ کر پڑھنا اور اس کو اپنانے اور اُس پر عمل کرنے کی نیت سے پڑھنا۔

اس کے بعد ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

واذکر ربك في نفسك تضرعا و خيفة و دون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تكن من الغفلين○

ان الذين عند ربك لا يستكبرون عن عبادته ويسبحونهٗ وله يسجدون○ (الاعراف: 201-205)

''اے نبی اکرم ﷺ اپنے رب کو صبح و شام یاد کیا کرو، عاجزی وانکسار کے ساتھ اور چپکے چپکے اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ۔ تم اُن لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ جو لوگ تمہارے رب کے حضور تقرب کا مقام رکھتے ہیں، وہ کبھی اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں آ کر اس کی عبادت سے منہ نہیں موڑتے۔ اُس کی تسبیح کرتے اور اس کے آگے جھکے رہتے ہیں''۔

اِس آیت پہ سجدہ واجب ہے اور قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں یہ پہلی آیت ہے جس کی تلاوت کے بعد ہم سجدے میں گر جاتے ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ شیطان جب یہ دیکھتا ہے کہ اللہ کا ایک بندہ قرآنِ مجید پڑھتے ہوئے سجدے میں گر جاتا ہے تو اسے بہت حسرت و افسوس ہوتا ہے، وہ آہ و بکا کرتا ہے کہ یہ وہی سجدہ ہے جس سے انکار کی وجہ سے وہ مردود اور راندہ ٹھہرا اور یہ وہی سجدہ ہے جس کی وجہ سے انسان بلندی پہ بلندی حاصل کرتا چلا جا رہا ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبالؒ)

تقدیر کو ہمیشہ عمل کے ساتھ مانو بے عملی کے ساتھ نہیں۔

(تعمیر ملت۔ 345)

معراج النبی ﷺ

حیات طیبہ کا اہم واقعہ

(ڈاکٹر خواجہ عابد نظامی)

معراج حضور نبی کریم رؤف رحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات مبارکہ کا اہم ترین واقعہ ہے۔قرآن حکیم میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح ہے۔

''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں نازل کر رکھی ہیں تا کہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔وہی خدا دیکھنے والا اور سننے والا ہے''۔ (سورۃ بنی اسرائیل)

معراج کے موقع پر حضور پر نور ﷺ کو بارگاہ لامکاں میں وہاں تک رسائی حاصل ہوئی جہاں آج تک نہ کوئی گیا اور نہ کبھی جائے گا معراج کا یہ واقعہ نبوت کے بارہویں سال 27 رجب کو بروز دوشنبہ پیش آیا۔

آنحضرت ﷺ رات کے وقت خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما تھے کہ جبریل امین حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کو جگایا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دعوت معراج کی خوشخبری سنائی۔

حضور ﷺ حرم سے باہر تشریف لائے جہاں سواری کیلئے ایک جانور موجود تھا جس کا نام براق تھا۔اس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ جس مقام پر انسان کی نگاہ پڑتی تھی وہاں اس کا قدم پڑتا تھا۔بعض محققین کے مطابق اس جانور کو انتہائی سرعت رفتار ہی کی وجہ سے برق کہا جاتا ہے۔ یعنی اسے برق (بجلی) سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔

ترمذی شریف کی روایت کے مطابق جب حضور ﷺ براق پر سوار ہونے لگے تو اس نے کچھ شوخی کی۔اس پر جبریل علیہ السلام نے اس سے کہا خبردار آج تک کوئی ایسی ہستی تجھ پر سوار نہیں ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان (پیغمبر اعظم وآخر) سے زیادہ محبوب اور برگزیدہ ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ جبریل نے براق کی رکاب تھام لی اور میکائیل نے اس کی لگام پکڑ لی اور یوں معراج کے مقدس سفر کا آغاز ہوا۔ آنحضور ﷺ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے جہاں انبیائے کرامؑ (جو آپ سے پہلے گزر چکے تھے) آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ ان سب نے حضور ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی۔

اس کے بعد براق آپ کو بلندیوں کی طرف لے کر اڑا اور آپ کو ساتوں آسمانوں کی سیر کرائی گئی جہاں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کا مشاہدہ فرمایا۔ مختلف آسمانوں پر انبیائے کرام سے آپ کی ملاقاتیں ہوئیں پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ تیسرے آسمان پر، حضرت یوسف چوتھے آسمان پر، حضرت ادریس پانچویں آسمان پر حضرت ہارون اور چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں۔

قرآن حکیم کی ان آیات میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

''ان کی آنکھ نہ اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی انہوں نے اپنے پروردگار کی قدرت کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

پھر حضور ﷺ ایک مقام پر پہنچے جس کا نام سدرۃ المنتہیٰ ہے۔ یہاں پہنچ کر جبریل نے حضورؐ سے عرض کی کہ اس مقام سے آگے جانا میری طاقت سے باہر ہے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم　　فروغ تجلی بسوزد پرم

اس کے بعد اللہ کے حبیب حجابات طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے جہاں آج تک نہ کوئی گیا اور نہ جا سکے گا۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے کیا باتیں کیں اس کا علم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب کے علاوہ کسی کو نہیں۔

معراج کے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو اسلامی تمدن و معاشرت کے وہ زریں اصول عطا فرمائے جن پر عمل پیرا ہو کر آپ نے اور آپ کی اُمت نے دنیا کا نقشہ بدل ڈالا اور جو

آج بھی پوری نوع انسانیت کیلئے مشعل راہ ہیں۔

☆--- اللہ تعالٰی کی توحید پر کامل یقین رکھو اور شر سے ہمیشہ باز رہو۔

☆--- والدین کی عزت و اطاعت کرو۔

☆--- رشتہ داروں، مسکینوں اور مسافروں کے حقوق ادا کرو اور غلط اور نا جائز طریقوں سے اپنا مال صرف نہ کرو۔

☆--- اگر کسی وجہ سے حق داروں کی خدمت میں رکاوٹ آ جائے تو نہایت خوبصورت انداز میں ان سے معذرت کرو۔

☆--- مال و دولت صرف کرنے میں ہمیشہ اعتدال سے کام لو۔

☆--- افلاس اور غربت کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

☆--- گندے کاموں (مثلاً زنا وغیرہ) کے قریب تک نہ بھٹکو۔

☆--- ناروا طور پر کسی کی جان نہ لو۔

☆--- اپنے وعدوں اور معاہدوں کی پابندی کرو۔

اللہ تعالٰی کی طرف سے حضور کو دوسرا تحفہ نماز پنجگانہ کا ملا اب تک صرف دو وقت دو دو رکعت نماز پڑھی جاتی تھی۔مشہور روایات کے مطابق اللہ تعالٰی نے روزانہ پچاس نمازوں کی فرضیت کا حکم دیا۔حضور واپس گئے پھر کچھ کمی ہو گئی۔حضرت موسیٰ ؑ نے پھر واپس بھیجا۔عرض کیا کہ دو تین بار جانے سے یومیہ پانچ نماز فرض ہو گئیں۔

اسی مبارک موقع پر خاص طور پر حضور ﷺ کو نماز تہجد ادا کرنے کا حکم دیا گیا اور خوشخبری دی گئی کہ کہ عنقریب آپ کو مقام محمود حاصل ہو گا۔

اگلی صبح جب آپ نے واقعہ معراج کا تذکرہ قریش کے سامنے کیا تو انہوں نے پہلے تو تعجب کیا پھر مذاق اُڑانے کے لئے تالیاں بجائیں۔قریش میں سے جو لوگ بیت المقدس کو دیکھ چکے تھے انہوں نے بطور امتحان وہاں کے نشانات و علامات پوچھے۔

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں ان لوگوں نے مجھ سے بیت المقدس کی بعض ایسی باتیں دریافت کیں جو مجھ کو یاد نہیں تھیں لیکن یکا یک نظر اُٹھائی تو بیت المقدس کی عمارت کو اپنی نظر کے سامنے پایا۔ میں اس کی طرف دیکھتا جاتا تھا اور کفار کے سوالوں کے جواب دیتا جاتا تھا یہاں تک کہ میں نے ان کو بیت المقدس کے دروازوں کی تعداد بھی بتادی۔

ادھر یہ قصہ ہوا ادھر کچھ لوگ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس گئے اور انہیں بتایا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس گیا اور صبح سے پہلے واپس آ گیا۔ کیا آپ اس دعوے کی تصدیق کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا اگر رسول اللہ ﷺ نے ایسا فرمایا ہے تو بالکل سچ فرمایا ہے تو اس سے بڑھ کر حضور کی بیان کردہ خبروں کی دن رات تصدیق کرتا ہوں۔

سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ واقعہ معراج کی اس تصدیق کے باعث حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بارگاہ رسالت سے صدیق کا خطاب عطا ہوا۔

دُعائے مغفرت

☆ گوجرانوالہ کے بھائی بشیر بٹ صاحب کے تایا زاد بھائی۔

☆ وحید کالونی گوجرانوالہ کے بابا الٰہی بخش کے بڑے بھائی۔

☆ راولپنڈی کے محمد اسحاق صاحب کے والد صاحب

☆ آدمکے چیمہ مظفر صاحب کے والد صاحب

رضائے الٰہی سے اِنتقال فرما گئے ہیں۔ تمام بھائیوں سے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے

آزمائش

(اُستاد فتحی یکن)

''میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ تمہاری دعوت سے ابھی اکثر لوگ بے خبر ہیں، جب یہ دعوت اس کے اغراض و مقاصد ان پر کھلیں گے تو وہ تمہارے درپے آزار ہوں گے۔ وہ تم سے شدید عداوت پر اُتر آئیں گے۔ اس وقت تمہارا بڑی تکلیفوں سے سامنا ہوگا۔ طرح طرح کی رکاوٹیں تمہارے راستے میں حائل ہوں گی۔ اس وقت تم صحیح معنوں میں دعوت کے علمبرداروں کی صفوں میں شمار ہوگے عوام کی حقیقتِ اسلام سے جہالت تمہارے راستے کا روڑا بنے گی، درباری علماء و مشائخ تمہارے اسلام پر انگلی رکھیں گے اور تمہارے جہاد پر نکیر کریں گے۔ زعماء اور ارباب جاہ و اقتدار تم سے جلیں گے، تمام حکومتیں بلا استثنا تمہارا ''سدباب'' کریں گی، تمہاری سرگرمیوں پر پابندی عائد کریں گی اور لٹیرے ہر حربے سے تمہاری مخالفت کریں گے''۔ (حسن البناؒ شہیدؒ)

قدیم و جدید ہر دور میں آزمائش تحریک اِسلامی کا لازمی جزو رہی ہے۔ اسلام بغاوت کی دعوت کا نام ہے۔ جاہلی زندگی کی تمام شکلوں اور صورتوں کے خلاف بغاوت، جاہلی مروجات اور رسوم کے خلاف بغاوت، جاہلی افکار کے خلاف بغاوت اور جاہلی قوانین اور ڈھانچوں کے خلاف اعلانِ جنگ۔

اسلام کی یہ خصوصیت جس سے وہ ممتاز ہے، تحریک اسلامی کو آزمائشوں کی آماجگاہ بناتی رہی ہے۔ نتیجہ کے طور پر اسلامی تحریک کے نزدیک آزمائش کا ایک خاص مفہوم ہے جس کا دوسری سیاسی و گروہی تحریکوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

آزمائش تربیت کا ذریعہ ہے

اسلام میں آزمائش تعمیر و تشکیل کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ نظری تربیت کی کوئی قیمت نہیں رہتی اگر اس میں شدت اور آزمائش کے عوامل شریک نہ ہوں۔ نفس انسانی سلامتی کو پسند کرتا ہے اور خطرات سے دُور بھاگتا ہے اور اس کا لازمی تقاضا ہے کہ وہ مشکلات و مصائب سے کھیلے تا کہ اس کے اندر قوتِ مدافعت پیدا ہو اور مصائبِ روزگار کے مقابلہ میں جمنا سیکھے۔

خود ایمان کی حقیقت تک پہنچنے اور اس کی رُوح حاصل کرنے کیلئے آزمائش درکار ہے کہ مضبوط و مستحکم ایمان وہی ہے جو تنگی و شدت کے وقت ثابت قدم رہے، لیکن جو ایمان کمزور اور بیمار ہوتا ہے اِسے آزمائشیں بہت جلد پیچھے ہٹادیتی ہیں کتنی سچی بات کہی ہے اللہ نے۔

ومن الناس من يقول امنا بالله فاذا أوذي في الله جعل فتنة الناس كعذاب الله۔ ولئن جآء نصر من ربك ليقولن انا كنا معكم ۔ اوليس الله باعلم بما في صدور العلمين o وليعلمن الله الذين امنوا وليعلمن المنفقينo (عنکبوت۔۱۰،۱۱)

(لوگوں میں کوئی ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، مگر جب وہ اللہ کے معاملے میں ستایا گیا تو اس نے لوگوں کی ڈالی ہوئی آزمائش کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھ لیا۔ اب اگر تیرے رب کی طرف سے فتح و نصرت آگئی تو یہی شخص کہے گا کہ "ہم تو تمہارے ساتھ تھے"۔ کیا دُنیا والوں کے دل کا حال اللہ کو بخوبی معلوم نہیں ہے؟ اور اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہی ہے کہ ایمان لانے والے کون ہیں اور منافق کون؟)

اس لئے ہر دعویٰ کیلئے دلیل مطلوب ہوتی ہے۔ ایمان ایک دعویٰ ہے جو دلیل کا محتاج ہے اور تنگی میں ثابت قدم رہنا اس ایمان کا مظہر اور اس کی موجودگی اور رسوخ کی دلیل ہے۔

احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا امنا وهم لا يفتنون o ولقد فتنا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن الكذبينo (عنکبوت:۲،۳)

(کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم اُن سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو اِن سے پہلے گزرے ہیں۔ اللہ کو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون؟)

دورِ اول کی آزمائشیں

یہ اللہ کی سنت ہے کہ حق باطل سے علی الاعلان کشمکش کرے اور جب بھی حق کی روشنی ظاہر ہو

رات کی تاریکیاں اسے اپنی لپیٹ میں لینے کیلئے بیتاب ہوجائیں۔

وانہ لما قام عبداللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدا o قل انما ادعو ربی ولا اُشرک بہ احدًاo (جن:۱۹،۲۰)

(اور یہ کہ جب اللہ کا بندہ اُس کو پُکارنے کیلئے کھڑا ہوا تو لوگ اُس پر ٹوٹ پڑنے کیلئے تیار ہوگئے۔اے نبیؐ، کہو کہ ''میں تو اپنے رب کو پُکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا'')

یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم ۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرونo(صف:۸)

(اپنے منہ کی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنے نور کو پورا پھیلا کر رہے گا۔خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو)

پہلی خلقت اور پہلی نبوت سے ہی خیر اور شر دونوں موجود رہے ہیں اور ان دونوں میں نا قابلِ مصالحت جنگ ہوتی رہی ہے اور جس حقیقت کا بار بار اعادہ کیا جاتا رہا ہے وہ یہ کہ حق ہمیشہ غالب رہا ہے اور باطل کو منہ کی کھانی پڑی ہے:۔

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین o انھم لھم المنصورونo وان جندنا لھم الغلبونo (صٰفّٰت:۱۷۱تا۱۷۳)

(اپنے بھیجے ہوئے بندوں سے ہم پہلے ہی وعدہ کر چکے ہیں کہ یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔)

آزمائش۔۔۔ابراہیمؑ کی زندگی میں

وہ آزمائش جس سے ابراہیمؑ خلیل اللہ دوچار ہوئے اسی کشمکش کی ایک کڑی تھی جو تمام صدیوں میں پھیلی ہوئی ہے، تاریخ کے ہر ہر صفحہ پر ثبت ہے اور اہلِ حق کو غالب اور اہلِ باطل کو مغلوب اور رسوا کرتی رہی ہے۔

ابراہیمؑ نے ایسے ماحول میں تربیت پائی جو جاہلی بنیادوں پر استوار تھا، ہر طرح کی قدروں کا منکر اور نوامیس الٰہی کا مخالف تھا۔لیکن اس سلیم فطرت نے موجودہ صورت حال کو قبول کرنے، زمانہ

کے رنگ میں رنگ جانے اور اسی بہاؤ میں بہہ جانے سے انکار کر دیا۔ ابراہیمؑ جاہلیت سے متصادم ہونے اور اس سے ٹکرانے کیلئے کمر بستہ ہوگئے چاہے کتنی ہی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑے۔

اس فرد پر جو ہر قسم کے ہتھیار سے خالی تھا اور تنہا حق کی آواز اس کا کل سرمایہ تھی، آزمائشوں کی بارش ہونے لگی اور یہ قوم کے سرداروں کے سامنے ایمان باللہ اور ان کے معبودانِ باطل کا انکار علی الاعلان کرنے لگے۔

قال افرءیتم ما کنتم تعبدون o انتم و اباؤکم الاقدمون o فانھم عدولی الا رب العالمین o (شعراء: ۷۵ تا ۷۷)

(ابراہیمؑ نے کہا: کبھی تم نے اُن چیزوں کو دیکھا بھی جن کی بندگی تم اور تمہارے پچھلے باپ دادا بجالاتے رہے؟ میرے تو یہ سب دشمن ہیں، بجز ایک ربُّ العالمین کے۔)

یہاں ہر داعی دین کیلئے مناسب ہے کہ وہ تھوڑی دیر تک ٹھہرے اور اُس ایمان کی عظمت کا احساس کرے جس سے ابراہیمؑ کا قلب معمور تھا۔ آپ تنہا تھے، آپ کی حمایت میں کوئی جماعت تھی نہ مددگار تھے، بالکل نہتے، قوت سے نہ ہتھیار۔ گھر کے ستائے ہوئے، والدین اور رشتہ داروں کی طرف مکمل مقاطعہ، لیکن حق باطل کے سامنے کیسے جھک سکتا تھا یا دھمکیوں اور تعذیب کے سامنے کیسے سپر ڈال سکتا تھا؟۔

ابراہیمؑ پر آزمائش سخت ہوتی ہے، آگ میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور یہ اللہ کے فیصلے اور اس کی ملاقات کیلئے مطمئن اور مسرور رہتے ہیں اور اُفقِ اعلیٰ سے یہ محبوب بندہ بھڑکتی ہوئی آگ کے بیچ اللہ کی ندا سنتا ہے:۔

ینار کونی بردا و سلما علی ابراھیم o وارادوا به کیدا فجعلنھم الاخسرین o و نجینه و لوطا الی الارض التی برکنا فیھا للعلمین o (انبیاء: ۶۹ تا ۷۱)

(اے آگ تو ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیمؑ پر، وہ چاہتے تھے کہ ابراہیمؑ کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے بری طرح ان کو ناکام کر دیا۔ اور ہم اسے اور لوطؑ کو بچا کر اُس سرزمین کی

طرف نکال لے گئے جس میں ہم نے دُنیاوالوں کے لئے برکتیں رکھی ہیں)۔

اور آزمائش کی یہ داستان جس سے ابراہیمؑ دو چار ہوئے، اہل حق کے سامنے مردانگی اور شجاعت کی بہتیری شکلیں رکھ دیتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے منتخب بندوں اور رسولوں میں شامل کرلیتا ہے:۔

ومن یرغب عن ملة ابرهیم الا من سفه نفسه ۔ ولقد اصطفینه فی الدنیا ۔ وانه فی الاخرة لمن الصلحینo (البقرہ:۱۳۰)

(اب کون ہے جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کرلیا ہو اس کے سوا کون یہ حرکت کرسکتا ہے؟ ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دُنیا میں اپنے کام کیلئے چن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا)

آزمائش۔۔۔موسیٰؑ کی زندگی میں

موسیٰؑ کی زندگی آلام ومصائب اور پریشانیوں اور کلفتوں سے خالی نہ تھی بلکہ آزمائشوں نے اسی وقت گھیرلیا جب وہ دودھ پیتے بچے تھے سمندر کی لہروں اور تاریکیوں نے انہیں ہڑپ کرلینا چاہا، پھر جب جوان ہوئے تو فرعون کی گرفت سے بچنے کیلئے انہیں راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ آپ کی پوری زندگی امتحانات اور آزمائش وابتلاء کے واقعات سے بھری ہے ایک طرف فرعون کا انتقام ہے تو دوسری طرف اپنی قوم کی ایذادہی اور اس کی حماقت وسفاہت ہے۔

وظلم ذوی القربی اشد مضاضةً ۔ علی المرء من وقع الحسام المهند

(رشتہ داروں کا ظلم آدمی کیلئے شمشیر براں کی کاٹ سے زیادہ نقصان دہ اور تکلیف انگیز ہوتا ہے)

موسیٰؑ کی صورتِ حال یہ تھی کہ ایک ہاتھ سے فرعون کے مظالم اور ستم رانیوں کا مقابلہ کرتے تھے تو دوسرے ہاتھ سے اپنی قوم کی چالبازیوں کی تدبیر کرتے تھے اور یہ آزمائش بخدا سب سے سخت اور خطرناک تھی۔

دعوتیں اور تحریکیں خارج سے آنے والی بدترین اور خطرناک آزمائشوں کا منہ پھیر دیتی ہیں بشرطیکہ داخلی محاذ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہو لیکن اگر اندرونی صفوں میں اندرونی انتشار ہو اور

گھر کی دیواریں گری پڑی رہی ہوں تو مقابلہ کرنا کتنا دشوار ہوگا؟

موسیٰؑ نے ایسی قوم کی قیادت سنبھالی جو فراعنہ کے ظلم وستم سہتے سہتے اور سرکشوں اور جباروں کے بیچ رہتے ہوئے ذلت و رُسوائی کو انگیز کرنے لگی تھی اور ظلم و جبر سے مانوس ہو چکی تھی۔ رسول کی ذمہ داری اس فرعون کو دعوت الی اللہ دینے کی تھی جو جبر و طغیان کی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طائفۃ منھم یذبح ابناء ھم ویستحی نساء ھم انہ کان من المفسدینo

(واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا)۔ (قصص:۴)

اور موسیٰؑ اپنے راستے پر گامزن رہے، تمام پریشانیوں کو جھیلتے رہے، اللہ واحد پر اعتماد رکھا، اسی کی نصرت و تائید کا سہارا لیا۔ انسانی کمزوری کے کسی مرحلے میں کبھی موسیٰؑ کے اندر خوف و دہشت پیدا ہوتی جبکہ وہ فرعون، اس کے جادوگروں اور اس کے درباریوں کے درمیان معرکہ آرائی کر رہے ہوتے لیکن آسمان سے غیبی مدد آتی اور اُن کا ایمان واطمینان برقرار ہو جاتا۔

فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیo قلنا لا تخف انک انت الاعلیo والق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا۔ انما صنعوا کید سحر ولا یفلح الساحر حیث اتیo (طٰہٰ:۶۷ تا ۶۹)

(اور موسیٰؑ اپنے دل میں ڈر گیا۔ ہم نے کہا "مت ڈر، تو ہی غالب رہے گا۔ پھینک جو کچھ تیرے ہاتھ میں ہے، ابھی ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو نگلے جاتا ہے۔ یہ جو کچھ بنا کر لائے ہیں یہ تو جادوگر کا فریب ہے، اور جادوگر کامیاب نہیں ہو سکتا، خواہ کسی شان سے وہ آئے۔)

کتنے ہی خطرناک موڑ آئے، کیسی کیسی زبردست رُکاوٹیں آئیں تاکہ موسیٰؑ پر راستہ بند کر دیں اور ان کی دعوت کی کوئی راہ باقی نہ رہے لیکن صبر و عزیمت اور ایمان و یقین کے سامنے بھلا ان کا بس کیسے چل سکتا ہے؟ پورے اعتماد اور بھرپور یقین کے ساتھ زندگی بھر راستہ طے کرتے رہے۔

قارون نے بارہا کوشش کی کہ لوگ اس کے مال سے فتنہ میں پڑ جائیں اور موسیٰ اور ان کی دعوت سے پھر جائیں، اس نے ضمیروں کو خریدنے اور موسیٰ پر الزامات و اتہامات تھوپنے کی بارہا جدوجہد کی لیکن اللہ تعالیٰ نے سارے حیلے اور چالبازیاں بیکار کر دیں اور موسیٰ کو ان تمام آزمائشوں سے کندن بنا کر نکالا۔

قرآن موسیٰ وفرعون کا قصہ ختم کرتا ہے تو کہتا ہے:۔

ولقد جاء ال فرعون النذر o کذبوا بایتنا کلها فاخذنهم اخذعزیز مقتدرo اکفارکم خیر من اولئکم ام لکم براء ۃ فی الزبرoام یقولون نحن جمیع منتصر oسیهزم الجمع ویولون الدبرo بل الساعة موعدهم والساعة ادهی وامرo (قمر:۴۱تا۴۶)

(اور آلِ فرعون کے پاس بھی تنبیہات آئی تھیں، مگر انہوں نے ہماری ساری نشانیوں کو جھٹلا دیا آخر کو ہم نے انہیں پکڑا جس طرح کوئی زبردست قدرت والا پکڑا کرتا ہے۔ کیا تمہارے کفار کچھ اُن لوگوں سے بہتر ہیں؟ یا آسمانی کتابوں میں تمہارے لئے کوئی معافی لکھی ہوئی ہے؟ یا ان لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ ہم ایک مضبوط جتھا ہیں، اپنا بچاؤ کرلیں گے؟ عنقریب یہ جتھا شکست کھا جائے گا اور یہ سب پیٹھ پھیر کر بھاگتے نظر آئیں گے۔ بلکہ اِن سے نمٹنے کیلئے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور وہ بڑی آفت اور زیادہ تلخ ساعت ہے۔)

آزمائش۔۔۔عیسیٰ کی زندگی میں

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام صبر اور برداشت کی عظیم طاقت رکھتے تھے، سخت و شدید حالات، گوناگوں چالبازیاں، پیہم امتحانات اور مسلسل آزمائشیں جو آپ نے برداشت کیں، یہ سب اس شخصیت کی عظمت و رفعت کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس سے عیسیٰ علیہ اسلام متصف تھے۔

حالات کی شدت اور ناسازگاری میں اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنی پیدائش ہی کے وقت مختلف قسم کے شکوک وشبہات کا سامنا کیا جس طرح دعوتِ دین کے مرحلہ میں مختلف قسم کی

سرکشی اور طغیان نے آپ کا راستہ روکا۔ یہ سرکشی اور بغاوت کس درجہ انتہا کو پہنچ چکی تھی اس کا اندازہ کرنے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ وہ معجزات وخوارق جو عیسیٰؑ کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ان کا دلوں کو مائل کرنے اور ان کی تالیف کرنے میں کوئی اثر نہ ہوا۔

لیکن عیسیٰؑ دل برداشتہ ہوئے، نہ پیچھے قدم ہٹایا نہ اس طرح کا کوئی خیال دل میں پیدا ہوا۔ آپ کو حد درجہ اس بات پر اطمینان تھا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور واضح انداز میں اللہ کی دعوت پہنچادینا آپ کی ذمہ داری ہے۔ آپ حد درجہ حلیم الطبع اور منکسر المزاج تھے مخالفین کی مخالفت اور حماقت آپ کو سختی کرنے یا ایسا طریقہ اختیار کرنے پر آمادہ نہ کرسکتی تھی جو مسلمانوں کے طریقہ سے مختلف ہو۔ ایک بار آپ اور آپ کے شاگرد ایک بستی سے گزرے۔ بسی کے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اور انہیں خدا وآخرت کی یاددہانی کرائی لیکن بستی کے لوگوں نے جواب میں گالیاں دیں اور طعنہ دیا، لیکن آپ نے جواب میں دُعائے خیر کی اور واپس چلے آئے۔ حواریوں نے اس سلوک اور برتاؤ کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:۔

"ہر ایک وہی خرچ کرے گا جو اس کے پاس ہے"۔

آپ عیسیٰؑ کی تعلیمات سنیں گے تو آپ کو احساس ہوگا کہ آپؑ کا ایمان کتنا عظیم تھا نفس میں کتنی رقت تھی، اخلاق کتنا پاکیزہ تھا اور سینہ کتنا کشادہ تھا اور اُن دوسری صفات کا آپ کو اندازہ ہو گا جن سے آپ کی نادر شخصیت متصف تھی۔ آپ بیشتر اپنے حواریوں سے کہا کرتے تھے۔

"مبارکباد ہے تمہارے لئے کہ وہ تمہیں طعنہ دیں اور تمہیں بھگائیں اور میری خاطر تمہیں جھوٹ بول کر ہر بُری بات کہیں۔ خوش ہو جاؤ اور مسرت سے کھل اُٹھو اس لئے کہ تمہارا اجر آسمانوں میں بہت بڑا ہے، انہوں نے تم سے پہلے اسی طرح انبیاء کو دھتکار دیا ہے"۔

"یہ لوگ تمہیں بستیوں سے نکال باہر کریں گے بلکہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب تم کو قتل کرنے والا ہر شخص اپنے اس فعل کو اللہ کی خدمت سمجھے گا"۔

یہود نے آپ کی دعوت کے اثرات محدود کرنے کی کوشش کی اور آپ کی نبوت کو عوام سے چھپانے کیلئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ حق واضح اور صبح روشن

ہوتی ہے۔شپرہ چشم لاکھ سازش کریں اس کی روشنی چھپا نہیں سکتے۔اللہ تعالیٰ حق کے ذریعہ باطل پر ضرب لگاتا ہے اور اسے نیچا دکھا دیتا ہے۔

جب حیلہ وتدبیر کے سارے ہتھکنڈے ناکام ہوگئے تو یہوذا اسخر یوطی نامی ایک شخص نے عیسیٰؑ اوران کے حواریوں کے چھپنے کی جگہ بتادی۔اس وقت عیسیٰؑ کوان تمام سازشوں کا علم ہو چکا تھا جو ان کیلئے تیار کی جارہی تھیں۔انہیں اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ یہود کی آنکھیں آپ کی نگرانی اور تعاقب کر رہی ہیں اور پوری قوم انہیں قتل کر دینے کے درپے ہے، چنانچہ آپ اور آپ کے بعض حواریوں نے رات گزارنے کے لئے کسی باغ میں پناہ لے لی۔

رات کو یہودیوں کو آپ کے ٹھکانے کا علم ہوگیا اور فیصلہ کن حملہ کے انتظار میں گھات میں لگ گئے اور دائرہ بنالیا تا کہ اپنی سازشوں کو بروئے کار لاسکیں۔

لیکن عیسیٰؑ اللہ کی روح تھے،اس کی براہ راست نگرانی وحفاظت میں تھے،جب قوم نے اپنے کینہ وبغض کا غبار نکالنا چاہا اور دل کی لگی بجھانی چاہی تو اس وقت وہ اللہ کی عنایت وحراست میں تھے اور خدا نے ہمیں عوام کی آنکھوں سے بہت بلند کر دیا تھا۔

ان کے ہاتھوں عیسیٰؑ کے مشابہ ایک آدمی لگ گیا جس کی زبان اللہ نے بند کر دی تا کہ وہ اپنی صفائی پیش نہ کر دے اور قوم کو اس خدائی تدبیر کا علم نہ ہو سکا اور اسے پھانسی کے تختے کی طرف لے گئے حالانکہ وہ آدمی یہوذا اسخر یوطی تھا اور اسے عیسیٰؑ سمجھ کر قتل کر ڈالا۔

وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وان الذين اختلفوا فيه لفي شك منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وماقتلوه يقيناO بل رفعه الله اليه وكان الله عزيز حكيما

(حالانکہ فی الواقع انہوں نے اس کو قتل کیا نہ صلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں،ان کے پاس اس معاملہ میں کوئی علم نہیں ہے۔محض گمان ہی کی پیروی ہے۔انہوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔اللہ زبردست طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے)۔(جاری)

مدینہ منورہ کا اسلامی معاشرہ

(امتیاز احمد)

حضورﷺ کی حیات طیبہ کے دوران مدینہ منورہ میں رہنے والے مسلمانوں کو ہم دو گروپوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ہجرت کر کے آئے مہاجرین اور

۲۔مدینہ منورہ کے مقامی باشندے انصار۔

مہاجرین کی خصوصیات اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۸ میں بیان فرمائی ہیں۔

للفقراءِ المھجرین الذین اخرجوا من دیرھم واموٰلھم یبتغون فضلاً من اللہِ ورضونا وینصرون اللہ و رسولہ اُولئک ھُمُ الصدقون (8)

(ترجمہ)(اور) اُن فقراء تارک الوطن کیلئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں (اور) خدا کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار اور خدا اور اُس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے (ایماندار) ہیں۔

اِن مہاجرین کو مکہ مکرمہ میں دن رات اذیت دی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں رہنا ان لوگوں کیلئے ناممکن ہو گیا۔لہٰذا ان لوگوں کو مجبور ہو کر ہجرت کر کے مدینہ جانا پڑا۔کفارِ مکہ نے ان مہاجرین کی تمام املاک پر قبضہ کر لیا، یہ مہاجرین بالکل خالی ہاتھ مدینہ پہنچے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم اِن مہاجرین کو "فقیر" (انتہا درجہ کے غریب) کے نام سے یاد کرتا ہے۔اکثر کے پاس کھانے کو کچھ بھی نہیں ہوتا تھا،تو بھوک کے شدت کم کرنے کیلئے یہ لوگ پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، کچھ غریب لوگ خود کو سردی کی شدت سے بچانے کیلئے زمین میں گڑھے کھود کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔محض ایک آدھ کپڑا زیب تن تھا۔

اِن مہاجرین کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ ان لوگوں نے ترکِ وطن اختیار کیا۔یقیناً دنیاوی مال و متاع کیلئے نہیں۔بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی حاصل کرنے کیلئے۔

اِن مہاجرین کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ ان لوگوں نے محض اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی مدد کرنے کی نیت سے ہجرت کی تھی۔ یہاں اللہ کی مدد سے مُراد تبلیغ دین اسلام ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ ان مہاجرین نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے جو زبانی اور عملی وعدے کئے تھے اُن پر سو فیصدی پورے اُترے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں ان مہاجرین کے سچے ہونے کا اعلان فرما رہا ہے۔ لہٰذا اِن مہاجرین کے بارے میں کوئی نازیبا اور ناشائستہ بات کہنا اللہ کے اس فرمان کی خلاف ورزی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انصار کی خصوصیات بیان فرماتا ہے۔(سورۃ الحشر:9)

والذین تبوءُ و الدار والایمن من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون فی صدورھم حاجۃمما اوتوا و یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاؤلئِك ھم المفلحونَo

(ترجمہ) اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے گھر (یعنی مدینہ) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے اُن کے پاس آتے ہیں اُن سے محبت کرتے ہیں اور جو اُن کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش (اور خلش) نہیں پاتے اور انکو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ اُن کو خود احتیاج ہی ہو۔ اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانیوالے ہیں۔

یہ بات انتہائی دلچسپی کی حامل ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک مدینہ منورہ سارے عالم رنگ و بو میں سب سے زیادہ عزت و برکت والا شہر ہے، کیونکہ اسے ایمان اور تبلیغ کی برکت سے حاصل کیا گیا تھا۔ جبکہ دوسرے تمام شہر بشمول مکہ مکرمہ بزور شمشیر فتح کئے گئے تھے۔ اِسی لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک انصار کی اولین خصوصیت یہ ہے کہ عالم عدم سے عالم موجودات میں قدم رکھتے ہی پہلی حیات بخش سانس اُن حضرات نے فضاءِ مدینہ منورہ میں لی تھی اور جو اللہ کے رسول ﷺ اور اس کے صحابہؓ کے لئے جائے پناہ بھی بنی۔

دوسری خصوصیت یہ کہ ان انصار حضرات نے مہاجرین کو کبھی بھی اپنے اُوپر بوجھ نہیں سمجھا، بلکہ مہاجرین کا کھلے دل سے استقبال کیا۔ یہاں تک کہ انصار نے اپنے گھر، املاک، اور کاروبار مہاجرین کے ساتھ آدھا آدھا تقسیم کرلیا، بلکہ جن کی دو بیویاں تھیں اُن لوگوں نے بھی اپنی ایک بیوی کو اس لئے طلاق دے دی کہ اُن کا ایک مہاجر بھائی اس عورت کو اپنے نکاح میں لے سکے۔ اس پر طرہ یہ کہ انصار اپنے مہاجر بھائی کو اپنی سب بیویاں دکھا دیتا تھا تا کہ اسکا مہاجر بھائی جس کو چاہے پسند کرلے پھر انصار اُسے طلاق دیدے تا کہ مہاجر بھائی اُس سے نکاح کر سکے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابھی تک حجاب (پردے) کے قرآنی قوانین نافذ نہیں ہوئے تھے۔

انصار کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے دست مبارک سے جو چیز کسی مہاجر کو عطا کیا کرتے تھے، اُس پر کسی بھی انصار کو قطعی کوئی اعتراض نہیں ہوتا تھا۔ مثال کے طور پر جب مسلمان قبیلہ بنونضیر اور بنوقینقاع کی املاک پر قابض ہوئے (یہ قبضہ بغیر خون خرابے کے ہوا تھا) تو اللہ کے رسول ﷺ نے ثابت بن قیسؓ کو تمام انصار کو مدعو کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ حضور ﷺ نے ان تمام انصار سے خطاب کرتے ہوئے ان کے ایثار و قربانی کی بے حد تعریف کی جو اُنہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے تئیں ظاہر کی تھی۔ پھر آپؐ نے دو تجاویز انصار کے سامنے رکھیں۔ ایک یہ کہ تمام مال غنیمت سب مہاجرین اور انصار میں تقسیم کردیا جائے، اس صورت میں مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کے دئے ہوئے گھروں میں رہ سکتے ہیں، دوسری تجویز یہ تھی کہ مال غنیمت صرف مہاجرین میں تقسیم کردیا جائے۔ اس صورت میں وہ انصار کے مکانات خالی کر کے ذاتی مکانوں میں قیام کریں گے۔

انصار کے دو سرداروں سعد بن عبادہؓ اور سعد بن معاذؓ نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپؐ یہ تمام مال غنیمت صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادیں، اور یہ کہ اس کے بعد بھی مہاجرین بہ رضا و رغبت ہمارے گھروں میں رہ سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ سارا مال غنیمت صرف مہاجرین کے درمیان تقسیم کردیا گیا۔ انصار میں سے صرف دو حضرات کو کچھ حصہ دیا گیا، کیونکہ یہ دونوں (حضرت سہیلؓ بن حنیف اور حضرت ابودجانہؓ) بہت ہی زیادہ مفلس تھے۔

انصارؓ کی چوتھی خصوصیت یہ تھی کہ وہ لوگ تمام ایسی اشیاء بھی جن کی ان کو خود سخت ضرورت ہوا کرتی تھی، وہ اشیاء بھی بہت خوشی سے مہاجرین کے حوالے کر دیا کرتے تھے، یعنی ان کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے تھے۔

مہاجرین اور انصار کے بہت سے واقعات قرطبیؒ نے رقم کئے ہیں۔ جو کہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں:۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک بار ایک شخص اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، کہ میں دو دن سے بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلا دیجئے۔ حضور ﷺ نے اپنے گھر والوں سے کھانے کے بارے میں دریافت کیا، جواب ملا کہ گھر میں سوائے پانی کے، اور کچھ بھی نہیں ہے۔ پھر حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت کیا، کہ تم میں سے کون ہے جو اس بھوکے کو کھانا کھلا سکے؟ ایک صحابیؓ اس بھوکے کو اپنے گھر لے گئے، اور بیوی سے کھانا نکالنے کو کہا، بیوی نے کہا کھانا صرف اپنے بچے کیلئے ہی ہے۔ صحابیؓ نے اپنی بیوی سے فرمایا کہ بچے کو سلا دو، اور کھانا لاکر مہمان کے سامنے رکھ دو۔ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ صحابیؓ نے کھانا مہمان کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا، اور مہمان نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میزبان بھی کھا رہا ہے سارا کھانا پیٹ بھر کر کھالیا۔ دوسرے دن صبح وہ شخص اس صحابیؓ کے ہمراہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس انصار صحابی کو مبارکباد دیتے ہوئے فرمایا ''کل رات کو تمہاری مہمان نوازی اللہ کو بہت پسند آئی''۔

عبداللہ بن عمر ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں، کہ ایک بار کسی شخص نے بکری کا گوشت کسی کو تحفہ کے طور پر بھیجا، اس آدمی نے وہ گوشت کسی اور ضرورتمند کو دیدیا، اس نے اپنے سے زیادہ ضرورتمند کو دیدیا اس طرح یہ گوشت سات لوگوں کے درمیان ہوتا ہوا پھر واپس اُس پہلے شخص کے پاس آ گیا۔ اس واقعہ کو قشیری نے بیان کیا ہے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بروایت انسؓ ثعلبیؒ نے بیان کیا ہے۔

ایک بار ایک محتاج حضرت عائشہؓ کے پاس آیا، اور کھانے کو کچھ مانگا۔ اس وقت گھر میں

صرف ایک روٹی تھی ۔حضرت عائشہؓ نے خادمہ سے کہا کہ وہ روٹی فقیر کو دے دو ۔خادمہ یہ سوچتی ہی رہ گئی ، کہ اب شام کو روزہ کس طرح افطار کیا جائے گا ۔خدا کا کرنا ایسا ہوا، کہ شام کو کسی نے بُھنا ہوا گوشت عائشہؓ کو بھیج دیا ۔عائشہؓ اور خادمہ نے اس گوشت سے روزہ افطار فرمایا۔

نسائی نے لکھا ہے کہ ایک بار عبداللہ بن عمر بیمار ہوئے اور انگور کھانے کی خواہش ظاہر کی ۔کوئی بازار سے انگور خرید کر لایا، اتنے میں ایک فقیر آ گیا ابن عمر نے وہ انگور اُس کو دیدیئے ۔فقیر انگور لیکر چلا، کہ ایک آدمی نے فوراً جا کر اس سے وہ انگور خرید ے، اور لا کر عبداللہ بن عمر کو دیدیئے فقیر پھر واپس آیا ، ابن عمر نے وہ انگور دوبارہ اسے دیدیئے ۔وہ فقیر پھر واپس آیا ، عبداللہ بن عمرؓ نے تیسری بار بھی انگور اسے دیدیئے ، اس بار ایک اور شخص نے وہ انگور اس فقیر سے خرید کر لا کر ابن عمر کو دیدیئے، اور اس فقیر کو سختی سے منع فرمایا ، کہ اب وہ واپس نہ آئے ۔اس طرح آخری بار حضرت عبداللہ بن عمر نے یہ سمجھ کر کہ یہ نئے انگور واقعی خرید کر ان کے لئے ہی لائے گئے ہیں ، وہ انگور کھا لئے۔

مسند میں ابن مبارکؒ روایت کرتے ہیں ، کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دوران حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح کو چار سو دینار بطور تحفہ روانہ فرمائے ، اور خادم کو ہدایت دی ، کہ وہ یہ دیکھے کہ ابوعبیدہؓ وہ رقم کس طرح خرچ کرتے ہیں ۔خادم نے آ کر بتایا کہ انہوں نے پوری کی پوری رقم غریبوں میں تقسیم فرما دی ، اسی طرح حضرت عمرؓ نے چار سو دینار حضرت معاذ بن جبلؓ کو بطور تحفہ بھیجے ۔لے جانے والے نے واپس آ کر بتایا کہ وہ ساری رقم انہوں نے بھی محتاجوں میں بانٹ دی ۔جب آخری دو درہم بچے تو معاذؓ کی بیوی نے کہا ۔میں بھی غریب ہوں ۔تب معاذؓ نے وہ باقی دو درہم اپنی بیوی کو دیدیئے ۔عمرؓ نے تقسیم کا قصہ سن کر فرمایا ، یہ سب بھائی بھائی ہیں اور ان کے اعمال بھی ایک جیسے ہیں۔

حضرت حذیفہ عدویؓ جنگ یرموک کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ، کہ میں میدان جنگ میں اپنے زخمی بھتیجے کو تلاش کر رہا تھا ، تا کہ اُسے تھوڑا سا پانی پلا سکوں ۔جب میں اس کے پاس آیا ، تو وہ قریب المرگ تھا ۔اس نے پانی خود نہ پی کر اپنے قریب ہی دوسرے مسلم بھائی

کی طرف اشارہ کیا، میں پانی لیکر دوسرے زخمی کے پاس گیا، اس نے کسی تیسرے کو دینے کی خواہش ظاہر کی، اس طرح میں جب ساتویں زخمی کے پاس آیا، تو اس نے بھی خود پینے سے انکار کرتے ہوئے کسی اور پیاسے کو دینے کیلئے کہا۔ یہ سوچ کر میں سیدھا اپنے بھتیجے کے پاس آیا لیکن تب تک اُسکی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اُمت مسلمہ کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے:

۱۔مہاجرین ۲۔انصار، اور ۳۔بقیہ پوری امت!

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں مہاجرین اور انصار کی بہت ساری خوبیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ باقی تمام امت کو یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ہم سب ان تمام صحابہؓ کرام کا دل سے احترام کریں، اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی پوری پوری کوشش کریں، کیونکہ ایمان کی اصل دولت ہم تک انہیں حضراتؓ کے ذریعہ پہونچی ہے۔ ہمیں نعوذ باللہ صحابہ کرامؓ کے خلاف رتی برابر بھی بغض و عناد نہیں رکھنا چاہئے۔ بلکہ قرآن حکیم میں سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۱۰ کے مطابق یہ دُعا ہمیشہ کرتے رہنا چاہئے۔

والذین جآء ومن بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا ولا خوننا الذین سبقونا بالایمن ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنآ انک روف رحیم ○

(ترجمہ) اور (اُن کے لئے بھی) جو اُن (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دُعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

مصعب بن سعیدؒ فرماتے ہیں کہ ہم سب کا تعلق امت کے اس تیسرے گروہ سے اسی صورت میں ہو گا جب ہم سورۃ حشر کی آیت نمبر ۱۰ کی ہدایت پر کاربند ہوں گے۔ یعنی پہلے دو گروہوں کے لئے دعا گو ہوں گے۔ اور ان کے بارے میں اپنے دل میں کوئی کینہ نہ رکھیں گے۔

قرطبی اس آیت سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں، کہ ہمیں حضورﷺ کے ان تمام صحابہ کرام کا انتہائی ادب واحترام کرنا چاہیئے۔امام مالکؒ فرماتے ہیں ''ایک مسلمان مال غنیمت میں حصہ دار نہیں بن سکتا جب تک کہ اس کے دل ودماغ میں صحابہ کرام کی عقیدت اور محبت نہ ہو'' عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں، ''اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے لئے دعا گو رہیں خواہ ان کے آپس میں اختلاف ہوں یا تنازع''۔پس ہم سب پر صحابہ کرامؓ کا انتہائی ادب واحترم لازم ہے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں، کہ اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا: ''میری اُمت اُس وقت تک تباہ نہ ہوگی جب تک وہ اپنے سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں (میرے صحابہ کرامؓ) کو برا بھلا نہ کہے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ جب تم کسی ایسے شخص کو پاؤ، جو صحابہ کرامؓ کو برا کہہ رہا ہو، تو کہو: ''تم میں سے اس پر خدا کی لعنت ہو، جو دونوں میں زیادہ برا ہے۔اس طرح اللہ تعالیٰ اس برا کہنے والے کو خود ہی سزا دے گا۔''

عوام بن جشاب فرماتے ہیں۔''میں نے ایسے مسلمانوں کو دیکھا ہے، جو صحابہ کرامؓ کی ہمیشہ تعریف کیا کرتے تھے اور اگر اُن کی (صحابہ کرامؓ کی) کوئی کمزوری بھی معلوم ہو جاتی تھی، تو وہ لوگ اُسے چھپایا کرتے تھے۔تا کہ اسلام کے کھلے دشمنوں کو اُنہیں برا کہنے کا موقع نہ مل سکے''۔

دُعا فرمایئے! کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی صحابہ کرامؓ کی عقیدت کرنے کا سلیقہ عطا فرمائے اور ہمیں اُن کے نقش قدم پر چل کر نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین ثم آمین)

اپنے شیخ کو سجدہ ہرگز نہ کرو۔یہ بہت بڑا شرک ہے۔نہ اس کی تعظیم کو اس قدر جھکو کہ رکوع کی شکل پیدا ہو جائے۔ (طریقت توحیدیہ۔28)

بعض اوقات شیخ کو مرید کے دلی وسوسوں کا پتہ تک لگ جاتا ہے لیکن یہ علم غیب نہیں ہے مکاشفہ ہے۔ (طریقت توحیدیہ۔30)

سرور عالم ﷺ کا اصلی کارنامہ

دنیا جانتی ہے کہ نبی عربی حضرت محمد ﷺ انسانیت کے اُس برگزیدہ گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو قدیم ترین زمانہ سے نوع انسانی کو خدا پرستی اور حسن اخلاق کی تعلیم دینے کے لئے اٹھتا رہا ہے۔ ایک خدا کی بندگی اور پاکیزہ اخلاقی زندگی کا درس جو ہمیشہ سے دنیا کے پیغمبر، رشی اور منی دیتے رہے ہیں وہی آنحضرتؐ نے بھی دیا ہے۔ انہوں نے کسی نئے خدا کا تصور پیش نہیں کیا ہے اور نہ کسی نرالے اخلاق ہی کا سبق دیا ہے جو ان سے پہلے کے رہبران انسانیت کی تعلیم سے مختلف ہو۔ پھر سوال یہ ہے کہ ان کا وہ اصلی کارنامہ کیا ہے، جس کی بناپر ہم انہیں تاریخ انسانی کا سب سے بڑا آدمی قرار دیتے ہیں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک آنحضرتؐ سے پہلے انسان خدا کی ہستی اور اس کی وحدانیت سے نا آشنا تھا اور اس بات سے پوری طرح واقف نہ تھا کہ فلسفیانہ حقیقت کا انسانی اخلاقیات سے کیا تعلق ہے۔ بلاشبہ انسان کو اخلاق کے عمدہ اصولوں سے آگاہی حاصل تھی مگر اسے واضح طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ زندگی کے مختلف گوشوں اور پہلوؤں میں ان اخلاقی اصولوں کی عملی ترجمانی کس طرح ہونی چاہیے۔ خدا پر ایمان، اخلاق کے اصول اور عملی زندگی، یہ تینوں الگ الگ چیزیں تھیں جن کے درمیان کوئی منطقی ربط، کوئی گہرا تعلق اور کوئی نتیجہ خیز رشتہ موجود نہ تھا۔ یہ صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے ان تینوں کو ملا کر ایک نظام میں سمو دیا اور ان کے امتزاج سے ایک مکمل تہذیب وتمدن کا نقشہ محض خیال کی دنیا ہی میں نہیں بلکہ عمل کی دنیا میں بھی قائم کر کے دکھا دیا۔

اُنہوں نے بتایا کہ خدا پر ایمان محض ایک فلسفیانہ حقیقت کے مان لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس ایمان کا مزاج اپنی عین فطرت کے لحاظ سے ایک خاص قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتا ہے اور اس اخلاق کا ظہور انسان کی عملی زندگی کے پورے رویہ میں ہونا چاہیئے۔ ایمان ایک تخم ہے، ایک بیج ہے جو نفس انسانی میں جڑ پکڑتے ہی اپنی فطرت کے مطابق عملی زندگی کے ایک پورے درخت کی تخلیق شروع کر دیتا ہے اور اس درخت کے تنے سے لے کر اس کی شاخ شاخ اور پتی پتی تک

میں اخلاق کا وہ جیون رس جاری و ساری ہو جاتا ہے۔جس کی سوتیں تخم کے ریشوں سے اُبلتی ہیں۔جس طرح یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ دل میں بویا تو گیا ہو خدا پرستی کا بیج اور اس سے رونما ہو جائے ایک مادہ پرستانہ زندگی جس کی رگ رگ میں بداخلاقی کی روح سرایت کئے ہوئے ہو۔ خدا پرستی سے پیدا ہونے والے اخلاق اور شرک، دہریت یا رہبانیت سے پیدا ہونے والے اخلاق یکساں نہیں ہو سکتے۔زندگی کے یہ سب نظریئے اپنے الگ الگ مزاج رکھتے ہیں اور ہر ایک کا مزاج دوسرے سے مختلف قسم کے اخلاقیات کا تقاضا کرتا ہے پھر جو اخلاق خدا پرستی سے پیدا ہوتے ہیں وہ صرف ایک خاص عابد و زاہد گروہ کیلئے مخصوص نہیں ہیں کہ صرف خانقاہوں کی چار دیواری اور عزلت کے گوشے ہی میں ان کا ظہور ہو سکے۔ان کا اطلاق وسیع پیانے پر پوری انسانی زندگی اور اس کے ہر ہر پہلو میں ہونا چاہیئے۔اگر ایک تاجر خدا پرست ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کی تجارت میں اس کا خدا پرستانہ اخلاق ظاہر نہ ہو۔اگر ایک جج خدا پرست ہے تو عدالت کی کرسی پر، اور ایک پولیس مین خدا پرست ہے تو پولیس پوسٹ پر اُس سے غیر خدا پرستانہ اخلاق ظاہر نہیں ہو سکتے۔اسی طرح اگر کوئی قوم خدا پرست ہے تو اس کی شہری زندگی میں، اس کے ملکی انتظام میں، اس کی خارجی سیاست میں اور اس کی صلح و جنگ میں خدا پرستانہ اخلاق کی نمود ہونی چاہیئے۔ورنہ اس کا ایمان باللہ محض ایک لفظ بے معنی ہے۔

اب رہی یہ بات کہ خدا پرستی کس قسم کے اخلاق کا تقاضا کرتی ہے اور ان اخلاقیات کا ظہور کس طرح انسان کی عملی زندگی میں اور انفرادی و اجتماعی رویہ میں ہونا چاہیئے تو یہ ایک وسیع مضمون ہے جسے ایک مختصر گفتگو میں سمیٹنا مشکل ہے۔مگر میں نمونے کے طور پر نبیؐ کے چند ارشادات آپ کو سناؤں گا جن سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ آنحضرتؐ کے مرتب کئے ہوئے نظامِ زندگی میں ایمان، اخلاق اور عمل کا امتزاج کس نوعیت کا ہے۔سنیئے۔حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

☆ ''ایمان کے بہت سے شعبے ہیں، اس کی جڑ یہ ہے کہ تم خدا کے سوا کسی کو معبود نہ مانو اور اس کی آخری شاخ یہ ہے کہ راستے میں اگر تم کوئی ایسی چیز دیکھو جو بندگانِ خدا کو تکلیف دینے والی ہو تو اسے ہٹا دو۔اور حیا بھی ایمان ہی کا ایک شعبہ ہے''۔

☆ ''جسم ولباس کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے''۔

☆ ''مومن وہ ہے جس سے لوگوں کو اپنی جان و مال کا کوئی خطرہ نہ ہو''۔

☆ ''اس شخص میں ایمان نہیں ہے جس میں امانت داری نہیں اور وہ شخص بے دین ہے جو عہد کا پابند نہیں''۔

☆ ''بہترین ایمانی حالت یہ ہے کہ تیری دوستی اور دشمنی خدا واسطے کی ہو۔ تیری زبان پر خدا کا نام جاری ہو اور تو دوسروں کیلئے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور ان کیلئے وہی کچھ ناپسند کرے جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہے''۔

☆ ''تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور جو اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک میں سب سے بڑھا ہوا ہے''۔

☆ ''جو شخص خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیئے اپنے ہمسائے کو تکلیف نہ دینی چاہیئے اور اس کی زبان کھلے تو بھلائی پر کھلے ورنہ چپ رہے''۔

☆ ''مومن کبھی طعنے دینے والا، لعنت کرنے والا، بد گو اور زبان دراز نہیں ہوا کرتا''۔

☆ ''مومن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر جھوٹا اور خائن نہیں ہو سکتا''۔

☆ ''خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے، خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے خدا کی قسم وہ مومن نہیں ہے جس کی بدی سے اس کا ہمسایہ امن میں نہ ہو''۔

☆ ''جو شخص خود پیٹ بھر کے کھالے اور اس کے پہلو میں اس کا ہمسایہ بھوکا رہ جائے، وہ ایمان نہیں رکھتا''۔

☆ ''جو شخص کسی ظالم کو ظالم جانتے ہوئے اس کا ساتھ دے وہ اسلام سے نکل گیا''۔

☆ ''جس نے لوگوں کو دکھانے کیلئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا۔ جس نے لوگوں کو دکھانے کیلئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے لوگوں کو دکھانے کیلئے خیرات کی اس نے شرک کیا''۔

☆ ''چار صفات ایسی ہیں کہ جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے۔ امین بنایا جائے تو خیانت کرے، بولے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو اسے توڑ دے اور لڑے تو شرافت کی حد سے

گزرجائے۔

☆ ''جھوٹی گواہی اتنا بڑا گناہ ہے کہ شرک کے قریب جا پہنچتا ہے''۔

☆ ''اصلی مجاہدوہ ہے جو خدا کی فرمانبرداری میں خود اپنے نفس سے لڑے اور اصلی مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جنہیں خدا نے منع فرمایا ہے۔

☆ ''جانتے ہو کہ قیامت کے روز خدا کے سائے میں سب سے پہلے جگہ پانے والے کون ہوں گے؟ وہ جن کا حال یہ رہا کہ جب بھی حق ان کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے مان لیا۔ اور جب بھی حق ان سے مانگا گیا تو انہوں نے کھلے دل سے دیا۔ اور دوسروں کے معاملہ میں انہوں نے وہ فیصلہ کیا جو وہ خود اپنے معاملے میں چاہتے تھے''۔

☆ ''تم چھ باتوں کی مجھے ضمانت دو میں جنت کی تمہیں ضمانت دیتا ہوں۔ بولو تو سچ بولو۔ وعدہ کرو تو وفا کرو، امانت میں پورے اترو، بدکاری سے پرہیز کرو۔ بدنظری سے بچو اور ظلم سے ہاتھ روکو۔

☆ ''دھوکاباز اور بخیل اور احسان جتانے والا آدمی جنت میں نہیں جا سکتا''۔

☆ ''جنت میں وہ گوشت نہیں جا سکتا جو حرام کے لقموں سے بنا ہو۔ حرام خوری سے پلے ہوئے جسم کیلئے تو آگ ہی زیادہ موزوں ہے''۔

☆ ''جس شخص نے عیب دار چیز بیچی اور خریدار کو عیب سے آگاہ نہ کیا اس پر خدا کا غصہ بھڑکتا رہتا ہے اور فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں''۔

☆ ''کوئی شخص خواہ کتنی ہی بار زندگی پائے اور خدا کی راہ میں جہاد کر کے جان دیتا رہے مگر وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اگر اس پر قرض ہو اور وہ ادا نہ کیا گیا ہو''۔

☆ ''ایک شخص 60 برس خدا کی عبادت کرتا ہے اور مرتے وقت ایک وصیت میں حق تلفی کر کے اپنے آپ کو دوزخ کا مستحق بنا لیتا ہے''۔

☆ ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جو اپنے ماتحتوں پر بُری طرح افسری کرے''۔

☆ ''میں تمہیں بتاؤں کہ روزے اور خیرات اور نماز سے بھی افضل کیا چیز ہے؟ وہ ہے بگاڑ

میں صلح کرانا اور لوگوں کے باہمی تعلقات میں فساد ڈالنا وہ فعل ہے جو آدمی کی ساری نیکیوں پر پانی پھیر دیتا ہے"۔

☆ "اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز خدا کے حضور اس حال میں حاضر ہوا کہ اس کے ساتھ نماز، روزہ، زکوٰۃ سب ہی کچھ تھا۔ مگر اس کے ساتھ وہ کسی کو گالی دے کر آیا تھا۔ کسی پر بہتان لگا کر آیا تھا۔ کسی کا مال مار کھایا تھا۔ کسی کا خون بہایا تھا اور کسی کو پیٹ کر آیا تھا۔ پھر خدا نے اس کی ایک ایک نیکی ان مظلوموں پر بانٹ دی اور جب اس سے بھی حساب چکتا نہ ہوا تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے اور اسے دوزخ میں جھونک دیا"۔

☆ "لوگ کبھی نجات سے محروم نہ ہوں۔ اگر اپنی برائیوں کی تاویلیں کر کر کے اپنے نفس کو برائیوں پر مطمئن نہ کرتے رہیں"۔

☆ "جو تاجر قیمتیں چڑھانے کیلئے مال روک رکھے وہ ملعون ہے"۔

☆ "جس نے چالیس دن غلہ اس نیت سے روک رکھا کہ قیمتیں چڑھ جائیں تو خدا کا اس سے اور اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں"۔

☆ "چالیس دن غلہ روکنے کے بعد اگر آدمی اس غلہ کو خیرات بھی کر دے تو معاف نہ کیا جائے گا؟"۔

یہ نبی ﷺ کے بہت سے اقوال میں سے چند ہیں جو محض نمونے کے طور پر آپ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ ان سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضور ﷺ نے ایمان سے اخلاق اور اخلاق سے زندگی کے تمام شعبوں کا تعلق کس طرح قائم کیا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان باتوں کو صرف باتوں کی حد تک ہی نہ رکھا بلکہ عمل کی دنیا میں ایک پورے ملک کے نظام تمدن و سیاست کو انہی بنیادوں پر قائم کر کے دکھا دیا اور آپ ﷺ کا یہی وہ کارنامہ ہے جس کی بناء پر آپ ﷺ نوع انسانی کے سب سے بڑے رہنما ہیں۔

(ریڈیو پاکستان سے ایک نشری تقریر مورخہ 24 جنوری 1948ء)

اولاد کی تربیت اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

(حامد العابد)

انسان اللہ تعالیٰ کی سب سے اعلیٰ اور شاہکار مخلوق ہے۔ دیگر جاندار مخلوقات کی طرح انسان میں بھی بقائے نسل کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن انسان اور دیگر مخلوقات کے درمیان فرق یہ ہے کہ انسان اپنی نسل کو صرف شکل وصورت، عادات اور ہیئت ورثے میں نہیں دیتا بلکہ کردار، مزاج، عقیدہ، نظریات، افکار اور مقاصد کی سمت بھی منتقل کرتا ہے۔ ایک انسانی نسل اگلی نسل کو اپنے پیچھے خیر و بھلائی کا وارث بنا کر جاتی ہے یا شر و فساد کا۔

ہماری اولاد دراصل ہمارا مستقبل ہے دنیاوی لحاظ سے بھی اور آخرت کے نقطہ نظر سے بھی۔ فرد کا بھی مستقبل اور قوم کا بھی مستقبل اور مسلمان جسے دنیا کی اصلاح کیلئے منتخب کیا گیا ہے اس کی نسلیں صرف اپنی قوم کے ورثے ہی کیلئے نہیں پیدا ہوتیں بلکہ پوری انسانیت کو فساد اور بگاڑ سے بچانے اور دنیا کو امن وسلامتی عطا کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لہٰذا اُمت مسلمہ پر فرداً فرداً بھی اور اجتماعی طور پر بھی اولاد کی صحیح تربیت کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ (سورۃ التحریم)

اس آیت مبارکہ میں اہل ایمان کو جس اہم ذمہ داری کی طرف متوجہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے ساتھ گھر والوں کی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم وتربیت کا اہتمام کریں تا کہ یہ سب جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں اور یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جن اہل واعیال کی خوشیوں کیلئے نہ جانے تم کیا کیا جتن کرتے ہو اگر تم انہیں دین کا پابند نہ بناؤ گے تو یہ سمجھ لو کہ تم جہنم کا ایندھن تیار کر رہے ہو اور اپنے پیاروں کو حوالہ عذاب کرنے جا رہے ہو۔

نبی کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ ہی میں یہ حکم کیا گیا تھا کہ اپنے اہل واعیال کو نماز کی تاکید کرو اس کام کو مستقل جاری رکھو اور یہ حکم صرف نماز تک محدود نہیں تھا بلکہ پورے دین کی تعلیم وتربیت دینے کی تلقین تھی۔ دین کا بھی وہی تقاضا تھا جس کے تحت حضرت لقمان اپنے فرزند کو اہم ذمہ داریوں کی تلقین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ''اے میرے بیٹے!! اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرنا بیشک یہ بہت

بڑا اجرم ہے ۔ پیارے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو پھر وہ کسی چٹان میں چھپی ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں ہو اللہ اسے نکال لائے گا۔اللہ بڑا باریک بین اور باخبر ہے۔''(سورۃ لقمان)

ان نصیحتوں میں اولاد کی تربیت کیلئے بہترین رہنمائی ہے۔انبیاء علیہم اسلام اس سلسلے میں کتنے فکر مند تھے اس کا اندازہ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ کی دعاؤں اور نصیحتوں سے ہوتا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے''اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین متعین کر دیا ہے پس تم کو موت آئے تو اس حال میں ہو کہ تم مسلم ہو''۔

حضرت یعقوبؑ آخری لمحات میں اپنی اولاد سے دریافت کرتے ہیں ۔میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے سعادت مند اولاد کا جواب بڑا مبارک ہے۔''ہم اس اللہ کی عبادت میں زندگی گزاردینگے جو آپ کا،حضرت ابراہیمؑ،حضرت اسماعیلؑ،حضرت اسحاقؑ کا الٰہ ہے اور ہم اسی کے مطیع وفرمانبردار ہیں''۔(سورۃ البقرہ)

بچے کی پیدائش کے بعد ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے ۔اللہ کی بڑائی اور کبریائی بچے کے شعور اور تحت الشعور میں اتارنے کا انتظام اسلام زندگی کی ابتدا ہی سے کرنا چاہتا ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا''تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور تم سب سے اس کی رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی،امیر اپنی رعایا کا ذمہ دار ہے تو مرد اپنے اہل خانہ کا اور عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کی اولاد کی ذمہ دار ہے پس تم سے اس رعیت کے بارے میں بازپرس ہوگی''،منتظم اپنے حلقہ کا ذمہ دار ہے اس سے اسکے حلقہ کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے اپنے حلقہ کے بچوں کی تربیت کی ہے یا نہیں ۔سورۃ الانشقاق میں حساب سیر کا شرف پانے والے شخص کے متعلق کہا گیا ہے کہ اپنے گھر والوں کے پاس خوش خوش پہنچے گا تا کہ انہیں ابدی کامیابی کی خوشخبری سنائے ۔دین سے انحراف کرنے والے اہل وعیال سے ملاقات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا،اسی سورۃ الانشقاق میں پیٹھ پیچھے سے نامہ اعمال وصول کرنے والے بدنصیب شخص کا ذکر کرتے ہوئے جہنم تک پہنچانے کا سبب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے''وہ اپنے گھر والوں میں مگن تھا اس نے

سمجھا تھا اس نے کبھی پلٹنا نہیں ہے" یعنی یہ شخص اپنے گھر میں اپنے بال و بچوں کو خوب عیش کرا رہا تھا خواہ حرام کاریاں کرے یا حق مار کے بچوں کو سامان عیش فراہم کرتا رہا اور دنیاوی لطف ولذت کیلئے خدا کی باندھی ہوئی حدود کو پامال کرتا رہا۔ اس کے برعکس سورۃ طور میں صالح بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "ہم اپنے گھر والوں میں خدا سے ڈرتے تھے یعنی ہر وقت یہ خوف طاری رہتا تھا کہ ہم کہیں اپنے بال بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر ان کی دنیا بنانے کیلئے اپنی اور ان کی عاقبت برباد نہ کرلیں"۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ جس شخص نے اہل وعیال کو اور رشتہ داروں کو دینی تعلیم و تربیت دی وہ بھی رحمت حق سے بہرہ مند ہوگا اور اس کے ساتھ اس کے اہل وعیال بھی فلاح و سعادت میں شریک ہونگے۔ بخلاف اس شخص کے جس نے اپنے گھر والوں کی دینی لحاظ سے تربیت نہ کی اور انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے حقوق کی پہچان نہ کرائی ہو، اگر اپنی دوسری نیکیوں کی بدولت جنت میں پہنچ بھی گیا تو بیوی بچوں کو نہ مل سکے گا جن کی محبت میں اس نے عمر گزار دی۔

وہ لوگ جنہیں اللہ نے اپنی رحمت خاص سے دین کی خدمت کرنے کی توفیق بخشی ہے وہ اس سلسلے میں اور بھی توجہ کے مستحق ہیں کہ اگر بچوں کی تربیت خدا کے دین کی منشاء، اُمت مسلمہ کے مزاج کے مطابق کردی جائے تو خیر و شر کی کشمکش میں اولاد بھی مومنوں کے ساتھ معرکہ آرا ہوتی ہے اور اگر خدانخواستہ اولاد کی تربیت میں کمی آ جائے تو اپنی ہی اولاد مخالف محاذ پر کھڑی ہوتی ہے اور بندہ اپنے گھر میں اجنبی ہو کر رہ جاتا ہے۔

بچوں کی تربیت کا اصل سانچہ خود ماں اور باپ کے انداز و اطوار ہیں، اس کیلئے جس دن یہ احساس ہو جائے کہ اس گھر میں خدا اپنی امانت بھیجنے والا ہے اسی دن سے ماں باپ کو یہ طے کرلینا چاہیے کہ گھر میں لڑائی جھگڑا کی فضا ہرگز نہ ہوگی۔ کوئی گالی یا غیر شائستہ لفظ زبان پر ہرگز نہ آنے دیں گے۔ ادنیٰ سا کوئی جھوٹ بھی نہیں بولیں گے۔ کسی درجے میں وعدہ خلافی نہ کرینگے۔ جہاں بسم اللہ کہنا ہے وہاں لازماً بسم اللہ کہیں گے۔ جہاں الحمد اللہ کہنا ہے وہاں الحمد اللہ کہیں گے۔ جہاں کسی نماز کو قضاء نہ ہونے دیں گے۔ وہاں گھر، کمرے، صحن، بستر، کپڑے، بال اور ناخن سب

چیزیں صاف ستھری رکھیں گے۔

اولاد کے سلسلے میں ذمہ داری یہی نہیں ہے کہ اسے اچھا کھلا دیا اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس پہنا دیا۔اچھے سکول میں داخل کرا دیا۔سکول پہنچانے میں اس کیلئے بہترین گاڑی کا انتظام کیا۔بلکہ ذمہ داری یہ بھی ہے کہ آپ کا بچہ کسی کیلئے باعث تکلیف نہ بنے۔کبھی کسی کی کوئی چیز نہ اُٹھائے، غلط رویے پر محبت اور شفقت سے ٹوکنا ماں باپ کا فرض ہے، گھر سے باہر نکلنے کے دور سے پہلے بچے کو یہ سکھایا جا چکا ہونا چاہیے کہ جو چیز ہماری اپنی نہیں ہے اسے تم ہاتھ نہیں لگاؤ گے اور نہ اجازت کے بغیر دوسرے کی چیز سے فائدہ اُٹھاؤ گے۔یہ تعلیم بچے کے ضمیر کو بیدار کر دیتی ہے اور دوسرا بڑا اسبق یہ ہے کہ بچے میں یہ اسپرٹ پیدا کر دیجئے کہ اسے دوسروں کی بھلائی کیلئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے اور یہ زندگی کی بڑی خوبی اور نیکی ہے۔رشتے داروں، پڑوسیوں اور سکول کے ساتھیوں کے ساتھ بچوں کو خندہ پیشانی سے ملنے جلنے کی تربیت دینا بھی ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔حضور ﷺ کا طریقہ یہی تھا اور اس کو آپ ﷺ نے صدقہ (نیکی کا عمل) قرار دیا۔ہر مسلمان گھرانے میں بچوں کی ابتداء ہی سے مختلف دینی کلمات یاد کرائے جائیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا (اپنے بچوں کی زبان سے سب سے پہلے لا الہ الا اللہ کہلواؤ اور موت کے وقت اس کو اسی کلمے کی تلقین کرو)۔

جیسے بچہ چار سال کا ہو جائے، لازم ہے کہ ناظرہ قرآن کریم کی تعلیم کے ساتھ اسے کلمہ شہادت، ایمان مجمل، ایمان مفصل اور چھوٹی سورتیں زبانی یاد کرائی جائیں۔اس کا اللہ کے ساتھ تعلق مضبوط کرنے کیلئے مختلف اوقات اور کاموں کی دُعائیں بچوں کو یاد کرائیں۔اور ساتھ ساتھ ترجمہ بھی بتاتے جائیں۔سات سال کی عمر میں نماز شروع کرا دی جائے۔نرمی شفقت اور محبت سے اللہ کے حضور جھکنے اور اس سے مدد مانگنے اور اللہ کی بے حساب نعمتوں پر شکر کرنے کا جذبہ ابھارا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ بچوں کو بہادر بنایا جائے۔سختی نرمی ہر حال میں صبر و شکر سے زندگی بسر کرنا مومن کی شان ہے۔لہٰذا بچوں کی ذرا سی تکلیف پر پورا گھر سر پر اُٹھا لینے کی کبھی عادت نہ ڈالیں، بلکہ صبر اور برداشت کا جذبہ پیدا کریں۔ (بشکریہ نوائے وقت)

جنیدؒ کا نظریہ میثاق

(پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ)

جنیدؒ نے صراحت کی ہے کہ "توحید کی آخری منزل میں، عابد اپنی اُس پہلی حالت کی طرف رجوع کرتا ہے، جس میں وہ عالم خلق میں موجود ہونے سے پہلے تھا"۔

جنیدؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم آب وگل میں آنے اور اس جسمانی ہستی سے پہلے عابد کی ایک اور ہستی بھی تھی جس کا ثبوت قرآن حکیم کی اس آیت سے مل سکتا ہے۔

واذاخذ ربك من بنی ادم من ظهورهم ذریتهم و اشهدهم علی انفسهم الست بربکم ۔ قالو ا بلی شهدنا الخ (۷۔۱۷۲)

اور جب کہ آپ (ﷺ) کے رب نے اولادِ آدم کی پشت سے ان کی ذریت کو نکالا اور اُن سے انہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا ہاں بیشک، ہم اقرار کرتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرماتا ہے کہ اُس نے اولادِ آدم سے اس وقت خطاب کیا جب وہ خارجی دنیا میں موجود نہ تھی **الا اینکه** وہ علم خداوندی میں ضرور موجود تھی۔ لیکن یہ ہستی اُس نوعیت کی ہستی نہیں ہے جو مخلوقات سے منسوب ہے۔ اس کی ماہیت اور نوعیت فہم انسانی سے باہر ہے۔ اس کا صحیح علم تو صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ جب اللہ نے اولادِ آدم کو اپنے حضور میں طلب کر کے سوال کیا اور انہوں نے جواب میں "ہاں" کہا تو یہ اقرار یا اس کی صلاحیت بھی اللہ ہی کی طرف سے ایک تحفہ یا انعام تھا۔ دراصل یہ جواب بھی خدا ہی کی طرف سے تھا اور ارواحِ اولادِ آدم صرف اُس (خدا) کے قول کی ناقل تھیں۔ خدا ہی نے ان ارواح کو اپنی ذات کا علم عطا فرمایا جبکہ وہ ہنوز اس (اللہ تعالیٰ) کے علم میں تھیں اور انہیں وجود خارجی حاصل نہیں ہوا تھا (صرف وجود علمی حاصل تھا)

(اِسی بات کو شیخ اکبرؒ نے "اعیانِ ثابتہ" کی اصطلاح سے تعبیر کیا ہے۔ یہ ثبوت کی اصطلاح "وجود" کی ضد ہے۔ (مؤلف)

الغرض اس آیت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم سے اُس وقت خطاب کیا جب وہ خارج میں موجود نہ تھیں (انہیں وجود خارجی حاصل نہ تھا) اللہ کیلئے یہ سوال اس لئے ممکن ہو سکا کہ

وہ اولادِ آدم کوان کے وجود خارجی سے پہلے بھی دیکھ سکتا ہے۔

پس جنیدؒ کی رائے میں ہستی دو قسم (نوع) کی ہے۔ایک ہستی ء ایزدی جو زمان و مکان سے بالاتر ہے اور دنیا میں آنے سے پہلے ہم کو وہی ہستی نصیب تھی۔(ہم علم باری میں ہست یا موجود تھے)دوسری اس علم خارجی میں ہماری ہستی۔

''یہ ایزدی ہستی جس میں ہم تھے کامل ترین ہستی ہے۔اس ہستی میں انسان کی انفرادیت ہستی باری تعالیٰ میں مندرج اور محو ہو جاتی ہے''۔

''ہماری یہ پہلی ہستی ہی دراصل حقیقی ہستی یا وجود ہے''۔

''لیکن اس ہستی کی نوعیت ہماری فہم سے بیرون ہے''۔

''کون موجود تھا؟ اور وجود سے پہلے کون موجود ہو سکتا ہے؟ کیا خالص پاکیزہ اور مقدس ارواح کے سوا کوئی اور ہستی، خدا کی قدرت و مشیت کاملہ کے مطابق جواب دے سکتی تھی''۔

خلاصہ کلام اینکہ بقوائے تعلیم جنیدؒ، توحید کی آخری منزل میں، سالک اُسی حالت اصلی کی طرف عود کرتا ہے جس میں وہ قبل تخلیق موجود تھا۔یعنی وہ اپنی مادی دنیاوی زندگی سے بالکلیہ قطع تعلق کر لیتا ہے، اُس کی نارمل انسانی زندگی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔اور اُسی کی بدولت وہ خدا کی ہستی میں ضم ہو کر زندگی بسر کرتا ہے،اس منزل پر پہنچ کر (جب سالک خدا کی ہستی میں بالکلیہ جذب یا گم ہو جاتا ہے) اس پر توحید کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور وہ حقیقی معنی میں مؤحد بن جاتا ہے۔نقوش اغیار اس کے پردہ چشم سے بالکلیہ محو ہو جاتے ہیں۔اسے ہر طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے۔قوسِ قزح کے رنگوں میں، شفق کی سرخی میں، گلاب کی خوشبو میں، دریا کی روانی میں، بلبل کی نغمہ سرائی میں، صحرا کی وسعت میں، پہاڑ کی رفعت میں، بچے کی معصومیت میں، جوانمرد کی طاقت میں، عورت کی نزاکت میں، محبّ کے نیاز میں، محبوب کے ناز میں، کوئل کی کوک میں، عاشق کی ہوک میں، عاشق کی فریاد میں، معشوق کے تبسم میں، مؤذن کی اذان میں، پروہت کے ناقوس میں .....ہر جگہ اُسے خدا ہی کا جلوہ نظر آتا ہے اور وہ ہر شے میں خدا ہی کو دیکھتا ہے۔جب تک سالک کی ذاتی شخصیت برقرار رہتی ہے، من و تو کا امتیاز باقی رہتا ہے۔وہ توحید کی اس اعلیٰ منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔وجہ یہ ہے کہ جب تک اپنی انفرادیت کا احساس باقی ہے اس وقت تک دوئی باقی ہے یعنی سالک کو یہ یقین ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی اور بھی (حقیقی معنی میں) موجود ہے

اور دوئی سالک کیلئے سب سے بڑی آفت ہے۔ جہاں دوئی ہے وہاں توحید کہاں؟

جنیدؒ نے رسالہ نمبر ۶ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب اللہ کسی بندے کو خلعتِ وجود عطا فرماتا ہے تو اس فعل سے پہلے وہ یہ فیصلہ فرما دیتا ہے کہ میں بندے پر غلبہ و تسلط کاملہ حاصل کروں گا اور اُسے اپنی آغوش میں لے کر بحرِ وحدت میں اس طرح غرق کر دوں گا کہ دونوں ''یک جان و دو قالب'' ہو جائیں گے۔ شاید رومیؒ نے جب یہ شعر کہا تھا تو جنیدؒ کی یہی تعلیم ان کے پیشِ نظر تھی۔

من و تو بے من و تو جمع شوند از سر ذوق
خوش و فارغ ز خیالات پریشان من و تو

چنانچہ جو لوگ بقول جنیدؒ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مرضی پر چلتے ہیں تو وہ انجام کار اپنی مرضی اس کی مرضی میں فنا کر دیتے ہیں اور مقام رضاء پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اور جب یہ مقام حاصل ہو جاتا ہے تو سالک رمزِ توحید سے آشنا ہو کر تمام عقدہائے پیچیدہ خود بخود حل ہو جاتے ہیں اور انسان کو اطمینان قلب کی نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔ شاید اقبالؒ کے سامنے جنیدؒ ہی کی تعلیم تھی جب انہوں نے یہ شعر کہا تھا:

بروں کشید ز پیچاک پست و بود مرا
چہ عقدہا کہ مقام رضا کشود مرا

بہر کیف جب سالک کو یہ حالت نصیب ہو جاتی ہے تو وہ جو کچھ کہتا ہے اور کرتا ہے وہ خدا ہی کی مرضی ہوتی ہے۔ اور اسی کا فعل ہوتا ہے۔ لیکن یہ مقام سالک کو خدا کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔ جنیدؒ نے اس بات کو اس حدیث سے ثابت کیا ہے: ''میرا بندہ اعمال نافلہ کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ انجام کار میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب وہ میرا محبوب بندہ بن جاتا ہے تو پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں چنانچہ وہ میرے ذریعے سے سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں اور وہ میرے واسطے سے دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں اور وہ میرے وسیلے سے پکڑتا ہے۔ میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں اور وہ میری مدد سے چلتا ہے''۔ جنیدؒ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنے محبوب بندے کی ہر لحظہ تائید کرتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں اس کی رہنمائی کرتا ہے'' جس

کی بدولت وہ مقامِ صدق حاصل کرلیتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو اس پر نازل ہوتا ہے۔

جنیدؒ نے تصوف کی اس تعریف میں اسی حالت کو واضح کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ "تصوف کی ماہیت یہ ہے کہ خدا بندے پر بندے کی حیثیت سے موت وارد کردے اور پھر اپنی ذات میں اسے دوبارہ زندہ کردے۔"

وہ حالت کیا ہے جس میں بندہ اپنی ذاتی حیثیت کے اعتبار سے فنا ہوجائے اور خدا میں زندہ ہوجائے اور دوبارہ زندہ ہوکر زندگی بسر کرے؟ جنیدؒ نے اس سوال کا جواب اپنے نظریہ فناء میں دیا ہے جسے آئندہ صفحات میں بیان کیا جائے گا۔

جنیدؒ کا نظریہ فناء

جنیدؒ کے یہ دونوں نظریے (نظریہ میثاق و نظریہ فناء) ایک ہی مقصد کی طرف رہنمائی کرتے ہیں یعنی توحید کی اعلیٰ حالت۔ پس جو موحد اس اعلیٰ حالت کے حصول کا آرزومند ہو اسے اپنے اوپر فنا طاری کرنی پڑے گی۔ خدائی ہستی حاصل کرنے کے لئے اسے انسانی ہستی سے سبکدوش ہونا لازمی ہے۔ اسی صورت میں وہ خدا کے ساتھ ہوکر وحدت سے آشنا ہوسکتا ہے۔ جنیدؒ نے فنا کی تین منزلیں قرار دی ہیں۔

پہلی منزل: فنائے صفات و خصائص ذاتی و اوصافِ طبعی ہے تاکہ بندہ اتباعِ شریعت میں اپنی خواہشات کے بجائے اللہ کی مرضی پر عامل ہوسکے اور اپنے نفسِ امارہ کی خواہشوں کو فنا کرکے احکامِ خداوندی پر عمل کرسکے۔

دوسری منزل یہ ہے کہ بندہ لذاتِ حسی سے بالکلیہ کنارہ کش ہوجائے بلکہ لذتِ جسمانی کی خواہش کو بھی فنا کردے تاکہ وہ بالکلیہ اللہ کیلئے ہوجائے اور غیر سے کوئی علاقہ باقی نہ رہے۔

تیسری منزل یہ ہے کہ یہ شعور بھی فنا ہوجائے کہ مجھے خدا کی حضوری حاصل ہے۔ اس حالت کے بعد بندہ صرف اللہ کیلئے زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اللہ کا ہوجاتا ہے اور اللہ اس کا ہوجاتا ہے۔ اس حالت میں اگرچہ مادی جسم باقی رہتا ہے مگر شخصیت فنا ہوجاتی ہے۔

پہلی منزل کا تعلق انسان کی عملی زندگی سے ہے یعنی بندہ اپنی ذاتی اور نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال دیتا ہے اور سچے مسلم کی حیثیت سے اللہ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ اس کیلئے اسے مسلسل مجاہدہ کرنا لازمی ہے تاکہ وہ خالص زاہدانہ زندگی بسر کرسکے۔ فنا کی یہ منزل سالک کی

اخلاقی اور ظاہری زندگی سے متعلق ہے۔

فنا کی دوسری منزل کا مطلب یہ ہے کہ سالک لذات جسمانی سے بالکلیہ قطع تعلق کر لے بلکہ جب وہ اتباعِ شریعت کرے تو اس پر کسی فخر و مباہات کا اظہار بھی نہ کرے کیونکہ ایسا کرنے سے بھی اسے ذہنی لذت حاصل ہوگی ۔ فنا کی یہ منزل سالک کی ذہنی اور باطنی زندگی سے متعلق ہے۔

تیسری منزل کا مفہوم یہ ہے کہ سالک کو اس بات کا شعور بھی نہ رہے کہ مجھے حضوری کی عزت حاصل ہوگئی ہے ۔خدا کی حضوری میں اس کا اپنا ظاہری وجود بھی فنا ہو جاتا ہے۔اس منزل میں سالک کی شخصیت خدا میں گم ہو جاتی ہے۔ اگر چہ بظاہر وہ لوگوں کو چلتا پھرتا نظر آتا ہے مگر درحقیقت اس کا ذاتی تشخص فنا ہو چکا ہوتا ہے۔ اب وہ خدا میں اور خدا ہی کیلئے زندہ رہتا ہے۔ جہاں تک اس کا تعلق ہے اس کی کوئی انفرادی ہستی باقی نہیں رہتی ۔خدا میں فنا ہو کر وہ ابدی زندگی سے ہمکنار ہو جاتا ہے ۔وہ صرف خدا کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔

فنا کی آخری منزل میں پہنچ کر سالک باقی باللہ کے مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے یعنی بقاباللہ، فنافی اللہ کا ثمرہ ہے ۔فناء کا مطلب وہ نہیں ہے جو بدھ مذہب میں ''نروان'' کا ہے یعنی فنائے ذات بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کو فناء کر کے ابدی زندگی سے ہمکنار ہو جانا ،اور خدا میں زندہ رہ کر زندگی بسر کرنا۔

القصہ، جنیدؒ کا مطلب فنا سے فنائے کلی (نروان) نہیں ہے بلکہ وہ حالت جس میں سالک اللہ کے ساتھ بقا کی نعمت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور اللہ کے ساتھ ابدی زندگی بسر کرتا ہے ۔لیکن جنیدؒ کہتے ہیں کہ ''اس بقاباللہ کی حالت میں بھی سالک ذات باری کا ادراک نہیں کر سکتا۔ وہ خدا کے ساتھ تو ہے مگر خدا نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے ۔اس ابدی حالت میں بھی بندہ، بندہ ہی رہتا ہے۔ خدا وراءالوراء ہے ۔کوئی بندہ کنہ ایزدی سے آگاہ نہیں ہو سکتا ۔اور نہ خدا سے متحد ہو سکتا ہے''۔

اس تصریح سے واضح ہو گیا کہ جنیدؒ نے غیر اسلامی عقیدہ اتحاد سے اپنا دامن بچا لیا ہے۔ چونکہ اس جگہ یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ شاید بندہ خدا سے متحد ہو کر خود بھی خدا بن جاتا ہے، اس لئے جنیدؒ نے اس کی وضاحت کر دی کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بندہ بہر حال بندہ رہتا ہے۔

الغرض فنا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بندہ خدا بن جاتا ہے یا خدا میں مل کر خدا ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ بندے کی مرضی خدا کی مرضی میں فنا ہو جاتی ہے ۔جنیدؒ نے فناء کی

جو تعلیم دی ہے اس میں یہ نکتہ خاص طور سے اہم اور لائق توجہ ہے، کیونکہ زمانہ مابعد کے بعض صوفیہ اپنی کوتاہ نظری کی بناء پر جنیدؒ کے مفہوم کو نہ سمجھ سکے اور گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراجؒ نے لکھا ہے کہ "بغداد کے بعض صوفیوں نے فناء کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ جب سالک ذات باری میں فنا ہو جاتا ہے تو خدائی صفات سے متصف ہو کر خدا بن جاتا ہے لیکن یہ عقیدہ تو سراسر کفر ہے کیونکہ اس کا مطلب "حلول" ہے اور حلول کا عقیدہ تو نصاریٰ کا ہے جو کافر ہیں کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا، مسیحؑ میں مجسم ہو گیا۔ فناء کا مفہوم یہ کہ جب بندہ اپنی صفات ذاتی کو فناء کر دیتا ہے اور خدا کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے تو وہ اپنی مرضی کے بجائے اللہ کی مرضی پر چلتا ہے گویا فناء کا مطلب ہے اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دینا اور اس کی کامل اطاعت کرنا اور یہ توحید کی آخری منزل ہے۔"

ابونصر سراجؒ نے لکھا ہے "بعض صوفیہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کھانے پینے سے اجتناب کیا جائے اور مختلف ریاضتوں سے جسم کو کمزور کر دیا جائے تو انسان میں صفات ایزدی پیدا ہو جائیں گی۔ لیکن ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ انسان خواہ کچھ بھی کرے، اخلاق ذاتیہ اس سے دور نہیں ہو سکتے۔ جس طرح سیاہ رنگ سے سیاہی دور نہیں ہو سکتی۔"

جنیدؒ نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ فناء فی اللہ ہو جانے کے بعد بھی انسان انسان ہی رہتا ہے، خدا نہیں بن سکتا۔ انہوں نے حلول اور اتحاد دونوں غیر اسلامی عقیدوں کی تردید کی ہے۔ فناء کا مطلب صرف یہ کہ سالک کی اپنی مرضی باقی نہ رہے بلکہ خدا کی مرضی اس کی مرضی بن جائے۔ موحد وہ ہے جو اپنی نفسانی خواہشات کو بالکلیہ خدا کی مرضی کے تابع کر دے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ خدا میرے جسم میں حلول کر گیا ہے وہ کافر ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ میں اور خدا متحد ہو گئے ہیں وہ بھی کافر ہے۔ حلول اور اتحاد دونوں عقیدے سراسر الحاد ہیں۔

اسلامی تصوف میں جنیدؒ کا مقام یہ ہے کہ انہوں نے توحید کی تعلیم کو مرتبہ کمال تک پہنچایا جس پر کسی نے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ ان کے بعد صوفیہ نے توحید پر جو کچھ لکھا اس میں انہی کی تعلیم کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ اس لیے وہ سید الطائفہ کہلاتے ہیں۔ (جاری)

بنیاد پرستی

(ڈاکٹر ذاکر نائیک)

مسلمانوں کی اکثریت بنیاد پرست اور دہشت گرد کیوں ہے؟

آیئے! ہم ''دہشت گردی'' اور ''بنیاد پرستی'' کے الزامات کا تجزیہ کریں۔

بنیاد پرست ایسے شخص کو کہتے ہیں جو اپنے عقیدے یا نظریئے کی مبادیات یعنی بنیادی باتوں سے پوری طرح وابستہ ہو اور ان پر پوری طرح کاربند ہو۔ اگر ایک شخص اچھا ڈاکٹر بننا چاہتا ہے تو اسے طب کی مبادیات کا علم ہونا اور ان پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے اور ایک اچھے ریاضی دان کیلئے ضروری ہے کہ وہ ریاضی کی مبادیات سے اچھی طرح واقف ہو۔ گویا ایک ڈاکٹر کو طب میں اور ایک ریاضی دان کو ریاضی کے شعبے میں فنڈ امنٹلسٹ یا بنیاد پرست ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایک سائنس دان کو سائنس کے بارے میں مکمل معلومات ہونی چاہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسے سائنس کے میدان میں بنیاد پرست ہونا چاہیئے۔ اسی طرح دین کے معاملے میں بھی ایک شخص کا بنیاد پرست ہونا ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام بنیاد پرست ایک جیسے نہیں اور نہ ان کو ایک جیسا کہا جا سکتا ہے۔ تمام بنیاد پرستوں کو اچھے یا برے گروہوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ کسی بنیاد پرست کی کسی گروہ سے وابستگی کا انحصار اس کے متعلقہ شعبے اور سرگرمی پر ہے جس میں وہ بنیاد پرستی کا مظاہرہ کرے۔ ایک بنیاد پرست ڈاکو یا چور اپنے پیشے میں بنیاد پرست ہوتا ہے اور اس لئے ناپسند ٹھہرتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس ایک بنیاد پرست ڈاکٹر معاشرے کے لئے بہت مفید ہے اور بہت عزیز بھی۔

میں ایک بنیاد پرست انسان ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کے بنیادی اصولوں کو جانتا اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایک صحیح مسلمان ہونے کو بنیاد پرست ہونے پر شرمند نہیں ہونا چاہیئے۔ میں اپنے بنیاد پرست مسلمان ہونے پر فخر کرتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اسلام کے بنیادی اصول نہ صرف انسانیت بلکہ تمام دنیا کے لئے مفید ہیں۔ اسلام کا ایک بھی بنیادی اصول

ایسا نہیں جو تمام بنی نوع انسان کے مفاد میں نہ ہو یا ان کے لئے نقصان دہ ہو۔ بہت سے لوگ اسلام کے بارے میں غلط تصورات رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی بہت سی تعلیمات ٹھیک نہیں اور ناانصافی پر مبنی ہیں۔ یہ اندازِ فکر اسلام کے بارے میں غلط اور ناکافی معلومات کی وجہ سے ہے۔ اگر کوئی کھلے دل و دماغ سے اسلام کی تعلیمات کا جائزہ لے تو وہ اس حقیقت تک پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اسلام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں یکساں طور پر فائدہ مند ہے۔

ویبسٹرز (Websters) کی انگریزی ڈکشنری کے مطابق (Fundamentalism) یا بنیاد پرستی ایک تحریک تھی جو بیسویں صدی کے شروع میں امریکی پروٹسٹنٹوں کے اندر اٹھی۔ تحریک جدیدیت کے خلاف ردِعمل تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ لوگ جو صرف عقائد اور اخلاق بلکہ تاریخی ریکارڈ کے حوالے سے بھی بائبل کے غلطیوں سے پاک ہونے پر زور دیتے تھے۔ وہ اس پر بھی زور دیتے تھے کہ بائبل کا متن ہو بہو خدا کے الفاظ ہیں۔ اس طرح بنیاد پرستی ایک ایسی اصطلاح ہے جو سب سے پہلے عیسائیوں کے ایک گروہ کیلئے استعمال کی گئی جو یقین رکھتے تھے کہ بائبل لفظ بہ لفظ خدا کا کلام ہے اور اس میں کوئی غلطی یا تحریف نہیں۔

لیکن اب آکسفورڈ ڈکشنری کے مطابق ''بنیاد پرستی'' کا مطلب ہے ''کسی مذہب خاص طور پر اسلام کے قدیم یا بنیادی نظریات پر سختی سے کاربند ہونا''۔

یوں مغربی دانشوروں اور میڈیا نے ''بنیاد پرستی'' کی اصطلاح کو عیسائیت سے الگ کر کے خاص طور پر اسلام سے وابستہ کر دیا ہے۔ آج جب کوئی بنیاد پرست کی اصطلاح استعمال کرتا ہے تو فوراً اس کے ذہن میں ایک مسلمان کا تصور آتا ہے جو اس کے خیال میں دہشت گرد ہے۔

ہر مسلمان کو دہشت گرد ہونا چاہئے۔ دہشت گرد ایسے شخص کو کہتے ہیں جو دہشت پھیلانے کا باعث ہو۔ جب کوئی ڈاکو کسی پولیس والے کو دیکھتا ہے تو وہ دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ گویا ڈاکو کیلئے پولیس والا دہشت گرد ہے۔ اسی طرح ہر مسلمان کو چور، ڈاکو اور زانی جیسے سماج دشمن عناصر کیلئے دہشت گرد ہونا چاہئے۔ جب ایسا سماج دشمن شخص کسی مسلمان کو دیکھے تو اسے دہشت زدہ ہو جانا

چاہیئے ۔یہ ٹھیک ہے کہ لفظ ''دہشت گرد'' عام طور پر ایسے شخص کیلئے استعمال ہوتا ہے جو عام لوگوں کیلئے خوف اور دہشت کا باعث ہو لیکن سچے اور صحیح مسلمان کو صرف مخصوص لوگوں کیلئے خوف اور دہشت گرد ہونا چاہیئے ۔یعنی سماج دشمن عناصر کیلئے نہ کہ عام بے گناہ لوگوں کیلئے درحقیقت ایک مسلمان بے گناہ لوگوں کیلئے امن اور سلامتی کا باعث ہوتا ہے ۔

آزادیٔ ہند سے پہلے انگریزوں کی حکمرانی کے زمانے میں بعض مجاہدین آزادی جو عدم تشدد کے حامی نہیں تھے،انہیں انگریزوں کی حکومت ''دہشت گرد'' کے نام سے موسوم کرتی تھی۔لیکن عام ہندوستانیوں کے نزدیک تشدد پر مبنی سرگرمیوں میں مصروف یہ افراد محبِّ وطن تھے ۔یوں ان لوگوں کی سرگرمیوں کو فریقین کی طرف سے مختلف نام دیئے گئے ۔

وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان پر حکومت کرنا انگریزوں کا حق ہے وہ ان لوگوں کو دہشت گرد کہتے تھے جبکہ دوسرے لوگ جن کا خیال تھا کہ انگریزوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں،انہوں نے لوگوں کو محبِّ وطن اور مجاہد آزادی قرار دیا۔پس یہ نہایت ضروری ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کوئی فیصلہ دینے سے پہلے اس کی بات سنی جائے ۔دونوں طرف کے دلائل سنے جائیں بصورتِ حال کا تجزیہ کیا جائے ،پھر اس شخص کی دلیل اور مقصد کو پیش نظر رکھ کر اس کے مطابق اس کے بارے میں رائے قائم کی جائے ۔

لفظ اسلام ''سلام'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے ،سلامتی ،یہ امن کا مذہب ہے جس کے بنیادی اصول اس کے پیروکاروں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ دنیا میں امن قائم کریں اور اسے فروغ دیں ۔چنانچہ ہر مسلمان کو بنیاد پرست ہونا چاہیئے ۔اس کو اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنا چاہیے اور اسے صرف سماج دشمن عناصر کیلئے دہشت گرد ہونا چاہیئے تاکہ معاشرے میں امن اور عدل وانصاف کو فروغ ملے ۔(ڈاکٹر ذاکر نائیک منقول ماہنامہ علم وآگہی)

مذہب اور تمدنی مسائل

(مولانا وحید الدین خاں)

۳۔ اسی طرح قانون کیلئے ضروری ہے کہ اس کے پاس اس بات کی کوئی معقول وجہ موجود ہو کہ وہ کیوں کسی چیز کو "جرم" قرار دیتا ہے۔۔۔ انسانی قانون کے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ جو عمل "امن عامہ یا نظم مملکت" میں خلل ڈالتا ہو وہ جرم ہے، اس کے بغیر اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی فعل کو جرم کیسے قرار دے، یہی وجہ ہے کہ قوانین مروجہ کی نگاہ میں زنا اصلاً جرم نظر نہیں آتا بلکہ وہ صرف اس وقت جرم بنتا ہے، جبکہ طرفین میں سے کسی نے دوسرے پر جبر کیا ہو، گویا انسانی قانون کے نزدیک اصل جرم زنا نہیں بلکہ جبر و اکراہ ہے۔۔۔ جس طرح زبردستی کسی کے مال پر ہاتھ ڈالنا جرم ہے، اسی طرح زبردستی اس کی آبرو پر دست درازی بھی جرم ہے، لیکن باہمی رضا مندی سے جس طرح ایک کا مال دوسرے کیلئے جائز ہو جاتا ہے، اسی طرح گویا قانون کی نظر میں فریقین کی رضامندی سے ایک کی عصمت بھی دوسرے پر حلال ہو جاتی ہے، اس باہمی رضامندی کی شکل میں قانون، زنا کا حامی و محافظ بن جاتا ہے، اور اگر تیسرا شخص مداخلت کر کے زبردستی انہیں روکنا چاہتے تو اُلٹا وہی شخص مجرم بن جائے گا۔

زنا کا ارتکاب سوسائٹی میں زبردست فساد پھیلاتا ہے، وہ ناجائز اولاد کے مسائل پیدا کرتا ہے، وہ رشتہ نکاح کو کمزور کر دیتا ہے، وہ سطحی لذتیت کا ذہن پیدا کرتا ہے، وہ چوری اور خیانت کی تربیت کرتا ہے، وہ قتل اور اغوا کو فروغ دیتا ہے، وہ سارے سماج کے دل و دماغ کو گندا کر دیتا ہے، مگر اس کے باوجود قانون اسے کوئی سزا نہیں دے سکتا، کیونکہ اس کے پاس زنا بالرضا کو جرم قرار دینے کیلئے کوئی بنیاد نہیں ہے۔

اسی طرح انسانی قانون کیلئے یہ طے کرنا مشکل ہے کہ وہ شراب نوشی کو جرم کیوں قرار دے، کیونکہ اکل و شرب انسان کا ایک فطری حق ہے، اس لئے وہ جو چاہے کھائے، اس میں قانون کو مداخلت کرنے کی کیا ضرورت، اس لئے اس کے نزدیک نہ شراب پینا جرم ہے اور نہ اس سے پیدا

شدہ بدمستی اصلاً قابل مواخذہ ہے، البتہ نشے کی حالت میں اگر مخمور کسی سے گالم گلوچ کر بیٹھا یا ہاتھا پائی کی نوبت آ گئی، یا شارع عام پر وہ اس طرح جھومتا ہوا چلا کہ خمار اس کی حرکات سے بالکل نمایاں تھا، تب کہیں جا کر قانون اس پر ہاتھ ڈالنا جائز سمجھے گا، گویا انسانی قانون کی رو سے فی الحقیقت شراب نوشی کا فعل قابل گرفت نہیں ہے، بلکہ اصل قابل گرفت جرم دوسروں کو ایک خاص شکل میں ایذا پہونچانا ہے۔

شراب نوشی صحت کو تباہ کرتی ہے، وہ مال کا ضیاع اور بالآخر اقتصادی بربادی تک لے جا سکتی ہے، اس سے اخلاق کا احساس کمزور پڑتا ہے، اور انسان دھیرے دھیرے حیوان بن جاتا ہے، شراب مجرمین کی ایک بہترین مددگار ہے، جس کو پینے کے بعد لطیف احساسات مفلوج ہو جاتے ہیں، اور پھر قتل، چوری، ڈاکہ اور عصمت دری کے واقعات کرنا آسان ہو جاتا ہے، یہ سب کچھ ہوتا ہے، مگر قانون اسے بند نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ کیوں لوگوں کے اختیاری اکل و شرب پر پابندی عائد کرے۔

اس مشکل کا جواب صرف خدا کے قانون میں ہے، کیونکہ خدا کا قانون مالک کائنات کی مرضی کا اظہار ہوتا ہے، کسی قانون کا خدا کا قانون ہونا بذات خود اس بات کی کافی وجہ ہے کہ وہ بندوں کے اوپر نافذ ہو اس کے بعد اس کے لئے کسی اور سبب کی ضرورت نہیں، اس طرح خدائی قانون، قانون کی اس ضرورت کو پورا کرتا ہے کہ کس بنیاد پر کس فعل کو قانون کی زد میں لایا جائے۔

۴۔ قانون کبھی خود مکتفی نہیں ہو سکتا مختلف وجوہ کی بناء پر اس کے ساتھ اخلاق کا ہم رشتہ ہونا ضروری ہے۔

(الف) مثلاً ایک مقدمہ قانون کے سامنے آتا ہے، اس وقت اگر خالص سچائی منظر عام پر نہ آئے تو قانون کا عادلانہ مقصد کبھی پورا نہیں ہو سکتا، اگر فریقین اور گواہ عدالتوں میں سچ بولنے سے گریز کریں تو انصاف کا خاتمہ ہو جائے گا، اور اس کے قیام کی ساری کوششیں بیکار ثابت ہوں گی۔ گویا قانون کے ساتھ کسی ایسے ماورائے قانون تصور کی بھی لازمی ضرورت ہے، جو لوگوں کیلئے سچ

بولنے کا محرک بن سکے، سچائی کے لازمہ قانون وانصاف ہونے کا اعتراف دنیا بھر کی عدالتیں اس طرح کرتی ہیں کہ وہ ہر گواہ کو مجبور کرتی ہیں کہ وہ سچ بولنے کی قسم کھائے اور حلف اُٹھا کر اپنا بیان دے، قانون کیلئے مذہبی اعتقادات کی اہمیت کی یہ ایک نہایت واضح مثال ہے، مگر جدید سوسائٹی میں مذہب کی حقیقی اہمیت چونکہ ہر پہلو سے ختم کر دی گئی ہے، اس لئے عدالتوں کی مذہبی قسمیں اب صرف ایک روایت بلکہ مسخرہ پن بن کر رہ گئی ہیں اور ان کا کوئی واقعی فائدہ باقی نہیں رہا ہے۔

(ب) اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ قانون جس فعل کو جرم قرار دے کر اس پر سزا دیتا ہے، اس کے بارے میں خود سماج کے اندر بھی یہ احساس موجود ہو کہ یہ فعل جرم ہے، محض قانونی کوڈ میں چھپے ہوئے الفاظ کی بنا پر وہ فضا پیدا نہیں ہو سکتی جو کسی جرم پر سزا کے اطلاق کیلئے درکار ہے، ایک شخص جب جرم کرے تو اس کے اندر مجرمانہ احساس (Guilty Mind) کا پایا جانا ضروری ہے، وہ خود اپنے آپ کو مجرم سمجھے اور سارا سماج اس کو مجرم کی نظر سے دیکھے، پولیس پورے اعتماد کے ساتھ اس پر دست درازی کرے، عدالت میں بیٹھنے والا جج پوری آمادگی قلب کے ساتھ اس پر سزا کا حکم جاری کرے، دوسرے لفظوں میں ایک فعل کے "جرم" ہونے کیلئے اس کا "گناہ" ہونا ضروری ہے، قانون کے تاریخی مکتب فکر کا یہ کہنا کہ "قانون سازی جبھی کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ وہ اس نسل کے داخلی اعتقادات (Internal Convictions) کے مطابق ہو جس کیلئے قانون وضع کیا گیا ہے، اگر وہ اس سے غیر متعلق ہو تو ایسے قانون کا ناکام ہونا یقینی ہے"۔ اپنے مخصوص مکتب فکر کے استدلال کے طور پر تو صحیح نہیں ہے۔ مگر اس میں ایک خارجی صداقت بیشک موجود ہے۔

(ج) اب سب چیزوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قانون کے عمل درآمد سے پہلے سماج کے اندر ایسے محرکات موجود ہوں جو لوگوں کو جرم کرنے سے روک سکتے ہوں، صرف پولیس اور عدالت کا خوف اس کیلئے کافی محرک نہیں بن سکتا، کیونکہ پولیس اور عدالت کے اندیشہ سے تو رشوت، سفارش، غلط وکالت اور جھوٹی گواہیاں بھی بچا سکتی ہیں، اور اگر ان چیزوں کو استعمال کر کے کوئی شخص اپنے

آپ کو جرم کے قانونی انجام سے بچالے جائے تو پھر اسے مزید کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔

خدائی قانون میں ان تمام چیزوں کا جواب موجود ہے، خدائی قانون کے ساتھ مذہب و آخرت کا عقیدہ وہ ماورائے قانون فضاء پیدا کرتا ہے، جو لوگوں کو سچائی پر ابھارے، وہ اس درجہ موثر ہے کہ اگر کوئی شخص وقتی مفاد کے تحت جھوٹا حلف اٹھائے تو اپنے دل کو ملامت سے نہیں بچا سکتا، ویسٹرن سرکٹ کی عدالت میں ایک پتھر نصب ہے جو اس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے کہ ایک گواہ نے قسم کے عام کلمات دہرانے کے بعد یہ بھی کہا تھا کہ ''اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا میری جان یہیں قبض کرلے'' چنانچہ وہ شخص وہیں دھڑام سے گرا اور گر کر اس کا خاتمہ ہوگیا۔ اس طرح کے واقعات اور بھی پیش آئے ہیں، اسی طرح جرم کے فعل شنیع ہونے کا عام احساس بھی محض اسمبلی کے پاس کردہ ایکٹوں کے ذریعہ پیدا نہیں ہوسکتا، اس کی بھی واحد بنیاد خدا اور آخرت کا عقیدہ ہے، اسی طرح جرم نہ کرنے کا محرک بھی صرف مذہب ہی پیدا کرسکتا ہے، کیونکہ مذہب کی حیثیت قانون کی نظر میں بالکل یکساں ہو، اور ایک حاکم پر اسی طرح عدالت میں مقدمہ چلایا جاسکے جس طرح محکوم پر چلایا جاتا ہے، کیونکہ ایسے نظام میں قانون ساز خدا ہوتا ہے، بقیہ تمام لوگ یکساں طور پر زیر قانون۔

٦۔ قانون کی آخری اور سب سے بڑی خصوصیت جس کو ہمارے ماہرین صدیوں سے تلاش کر رہے ہیں، اور اب تک وہ اسے حاصل نہ کرسکے وہ بھی صرف مذہبی قانون میں موجود ہے۔ یعنی قانون کی منصفانہ بنیاد، یہ سمجھا جاتا ہے کہ منصفانہ قانون کی بنیاد کا حاصل نہ ہونا تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت ہے، نہ کہ اس بات کا ثبوت کہ انسان اسے حاصل ہی نہیں کرسکتا، مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ طبعی قوانین کی دریافت میں انسان نے بے حساب ترقی کی ہے، اور اس کے مقابلے میں تمدنی قوانین کی دریافت میں اس درجہ کی بلکہ اس سے زیادہ کوششوں کے باوجود ایک فی صدی بھی کامیابی نہیں ہوئی، تو ہم یہ ماننے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ محض تلاش کے نامکمل ہونے کا ثبوت نہیں ہے، بلکہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جو چیز تلاش کی جارہی ہے اس کا پانا انسان کے بس

ہی میں نہیں۔

دنیا میں سب سے پہلا فوٹو ایک فرانسیسی سائنس داں نے ۱۸۲۶ء میں کھینچا، اس میں آٹھ گھنٹے کا وقت لگا اور اس نے اپنے کمرے کے برآمدے کا فوٹو کھینچا تھا، لیکن تصویر کشی کی موجودہ رفتار کا حال یہ ہے کہ فلم کا ریکارڈنگ کیمرا ایک سیکنڈ میں دو ہزار سے بھی زیادہ تصویریں کھینچ لیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے جتنی دیر میں صرف ایک تصویر کھینچی جا سکتی تھی، اتنی دیر میں آج چھ کروڑ تصویریں لی جا سکتی ہیں، گویا رفتار کے معاملے میں ۱۴۰ سال میں انسان نے چھ کروڑ گنا ترقی کی ہے، امریکہ میں بیسویں صدی کے آغاز میں سارے ملک میں صرف چار موٹر کاریں تھیں اب تقریباً دس کروڑ کاریں وہاں کی سڑکوں پر دوڑتی ہیں، انسان کی باریک بینی کا یہ حال ہے کہ آج وہ ۱۰۰۰۰۰۰/۱ سکنڈ کو بھی ہزارویں حصے تک تقسیم کر سکتا ہے یعنی ایک سیکنڈ کے دس لاکھوں حصے کا ہزارواں حصہ، چنانچہ زمین کی گردش میں فرق پڑنے سے اگر ایک سیکنڈ کے دس لاکھویں حصے کے بقدر دن چھوٹا یا بڑا ہو تو رصدگاہوں میں اسے معلوم کر لیا جاتا ہے، آج ایسے حساس آلے دریافت ہو چکے ہیں کہ اگر تیس جلدوں کی انسائیکلوپیڈیا میں کسی ایک صفحہ پر دو الفاظ بڑھائے جائیں تو اس کی سیاہی سے وزن میں جو فرق پڑے گا، اس کو وہ فوراً بتا دیں گے۔ یہ طبعی قوانین کی دریافت میں انسان کی ترقی کا حال ہے، مگر جہاں تک تمدنی قوانین کا معاملہ ہے، وہ اس میں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ سکا۔

یہاں میں چند مثالیں دوں گا جس سے اندازہ ہو گا کہ یہ دعویٰ کس قدر صحیح ہے کہ صرف خدائی مذہب ہی وہ حقیقی بنیاد ہے، جس سے ہم انسانی زندگی کا قانون اخذ کر سکتے ہیں۔

معاشرت

اسلام کی نظر میں عورت مرد دونوں برابر نہیں ہیں، چنانچہ اس نے دونوں صنفوں کے درمیان آزادانہ اختلاط کو سخت ناپسند کیا ہے، اور اس کو بند کرنے کا حکم دیا ہے، اس کے بعد جب سائنسی دور شروع ہوا تو اس اصول کا بہت مذاق اڑایا گیا، اور اس کو دور جہالت کی یادگار قرار

دیا گیا، بڑے زور شور سے یہ بات کہی گئی کہ عورت مرد دونوں یکساں ہیں، اور دونوں مساوی طور پر نسل انسانی کے وارث ہیں، ان کے میل جول کے درمیان کوئی دیوار کھڑی کرنا ایک جرم عظیم ہوگا، چنانچہ ساری دنیا میں اور خاص طور سے مغرب میں اس اصول پر ایک نئی سوسائٹی ابھرنا شروع ہوئی، مگر طویل تجربے نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ پیدائشی طور پر دونوں یکساں نہیں ہیں، اس لئے دونوں کو یکساں فرض کر کے جو سماج بنایا جائے وہ لازمی طور پر بے شمار خرابیاں پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔

پہلی بات یہ کہ عورت اور مرد میں فطری صلاحیتوں کے زبردست نوعی اختلافات ہیں اس لئے دونوں کو مساوی حیثیت میں اپنے اندر ایک حیاتیاتی تضاد رکھتا ہے، ڈاکٹر الکسس کیرل، عورت اور مرد کے فعلیاتی (Physiological) فرق کو بتاتے ہوئے لکھتا ہے۔

''مرد اور عورت کا فرق محض جنسی اعضا کی خاص شکل، رحم کی موجودگی، حمل یا طریقہ تعلیم ہی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اختلافات بنیادی قسم کے ہیں، خود نسیجوں کی بناوٹ اور پورے نظام جسمانی کے اندر خاص کیمیائی مادے جو خصیۃ الرحم سے مترشح ہوتے رہتے ہیں، ان اختلافات کا حقیقی باعث ہیں، صنف نازک کے ترقی کے حامی ان بنیادی حقیقتوں سے ناواقف ہونے کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ دونوں جنسوں کو ایک ہی قسم کی تعلیم، ایک ہی قسم کے اختیارات اور ایک ہی قسم کی ذمہ داریاں ملنی چاہئیں، حقیقت یہ ہے کہ عورت، مرد سے بالکل ہی مختلف ہے اس کے جسم کے ہر ایک خلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے، اس کے اعضا اور سب سے بڑھ کر اس کے اعصابی نظام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے، فعلیاتی قوانین ---(Physological Laws) اتنے ہی اٹل ہیں، جتنے کے فلکیات (Sidereal World) کے قوانین اٹل ہیں، انسانی آرزوں سے ان کو بدلا نہیں جا سکتا، ہم ان کو اسی طرح ماننے پر مجبور ہیں، جس طرح وہ پائے جاتے ہیں، عورتوں کو چاہئے کہ اپنی فطرت کے مطابق اپنی صلاحیتوں کی ترقی دیں اور مردوں کی نقالی کرنے کی کوشش نہ کریں''۔ (Man The Unknown, P.93)

عملی تجربہ بھی اس فرق کی تصدیق کر رہا ہے، چنانچہ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اب تک عورت کو مرد کے برابر درجہ نہ مل سکا، حتیٰ کہ وہ شعبے جو خاص طور پر عورتوں کے شعبے سمجھے جاتے ہیں، وہاں بھی مرد کو عورت کے اوپر فوقیت حاصل ہے، میری مراد فلمی ادارے سے ہے، نہ صرف یہ کہ فلمی اداروں کی تنظیم تمام تر مردوں کے ہاتھ میں ہے بلکہ اداکاری کے اعتبار سے بھی مرد کی اہمیت عورت سے زیادہ ہے، چنانچہ آج ایک مشہورترین فلم ایکٹر ایک فلم کے لئے چھ لاکھ روپے لیتا ہے، جبکہ مشہورترین فلم ایکٹرس کو چار لاکھ ملتے ہیں۔

مگر بات صرف اتنی ہی نہیں ہے، اگر ہم طبعی اور فلکیاتی قوانین کو تسلیم نہ کریں اور ان کے خلاف چلنا شروع کردیں تو یہ صرف ایک واقعہ کا انکار ہی نہیں ہوگا بلکہ ہمارا سر بھی ٹوٹ جائے گا، اسی طرح عورت اور مرد کی جداگانہ حیثیات کو نظر انداز کرکے انسان نے جو نظام بنایا، اس نے تمدن کے اندر زبردست خرابیاں پیدا کردیں، مثال کے طور پر اس غلط فلسفے کی وجہ سے دونوں صنفوں کے درمیان جو آزادانہ اختلاط پیدا ہوا ہے، اس نے جدید سوسائٹی میں نہ صرف عصمت کا وجود باقی نہیں رکھا، بلکہ ساری نوجوان نسل کو طرح طرح کی اخلاقی اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کردیا ہے، آج مغربی زندگی میں یہ بات عام ہے کہ ایک غیر شادی شدہ لڑکی ڈاکٹر کے کمرہ میں داخل ہوتی ہے، اس کو سر درد اور بے خوابی کی شکایت ہے، وہ کچھ دیر اپنی ان تکلیفات پر گفتگو کرتی ہے، اس کے بعد ایک مرد کا ذکر شروع کردیتی ہے، جس سے ابھی وہ جلد ہی ملی تھی، اتنے میں ڈاکٹر محسوس کرتا ہے کہ وہ کچھ رک رہی ہے، تجربہ کار ڈاکٹر اس کی بات سمجھ کر آگے بات شروع کر دیتا ہے:۔

(WELL, THEN HE ASKED YOU TO HIS FLAT. WHAT DID YOU SAY?)

لڑکی جواب دیتی ہے۔

"HOW DID YOU KNOW? I WAS JUST GOING TO TELL YOU THAT."

اس کے بعد لڑکی جو کچھ کہتی ہے، اس کو ناظرین خود قیاس کرسکتے ہیں، چنانچہ علمائے جدید خود

بھی اس تلخ تجربے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ آزادانہ اختلاط کے بعد عصمت وعفت کا تحفظ ایک بے معنی بات ہے چنانچہ اس کے خلاف کثرت سے مضامین اور کتابیں شائع کی جارہی ہیں، ایک مغربی ڈاکٹر کے الفاظ ہیں:۔

"THERE CAN COME A MOMENT BETWEEN A MAN AND A WOMAN WHEN CONTROL AND JUDGMENT ARE IMPOSSIBLE."

یعنی اجنبی مرد اجنبی عورت جب باہم آزادانہ مل رہے ہوں تو ایک وقت ایسا آجاتا ہے، جب فیصلہ کرنا اور قابو رکھنا ناممکن ہوجاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ عورت اور مرد کے آزادانہ اختلاط کی خرابیوں کو مغرب کے دردمند افراد شدت سے محسوس کررہے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ اس سے اس قدر مرعوب ہیں کہ اصل بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، ایک نہایت قابل اور مشہور خاتون ڈاکٹر میرین ہلیرڈ (DR.MARRION HILLIARD) نے آزادانہ اختلاط کے خلاف سخت مضمون لکھا ہے، وہ کہتی ہے:۔

"AS A DOCTOR, I DON'T BELIEVE THERE IS SUCH A THING AS PLATONIC RELATIONSHIP BETWEEN A MAN AND A WOMEN WHO ARE ALONE TOGETHER A GOOD DEAL.'

یعنی بحیثیت ڈاکٹر میں اسے تسلیم نہیں کرسکتی کہ عورت اور مرد کے درمیان بے ضرر تعلقات بھی ممکن ہیں، مگر اس کے باوجود یہی خاتون ڈاکٹر لکھتی ہیں:۔

''میں اتنی غیر حقیقت پسند نہیں ہوسکتی کہ یہ مشورہ دوں کہ نوجوان لڑکے اور نوجوان لڑکیاں ایک دوسرے کا بوسہ لینا چھوڑ دیں، مگر اکثر مائیں اپنی لڑکیوں کو اس سے آگاہ نہیں کرتیں کہ بوسہ صرف اشتہا پیدا کرتا ہے نہ کہ وہ جذبات کو تسکین دیتا ہے۔'' (ریڈرز ڈائجسٹ، دسمبر ۱۹۵۷ء)

خاتون ڈاکٹر یہ کہہ کر بالواسطہ طور پر خدائی قانون کو تسلیم کرتی ہے کہ آزادانہ اختلاط کے ابتدائی مظاہر جو مغربی زندگی میں نہایت عام ہیں، وہ جذبات میں ٹھہراؤ پیدا نہیں کرتے، بلکہ

اشتہا کو بڑھا کر مزید تسکین نفس کی طرف دھکیلتے ہیں، اور بالآخر انتہائی جنسی جرائم تک پہنچا دیتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس محرک شیطنت کو کس طرح حرام قرار دے۔

۲۔ اسی طرح اسلام میں ایک سے زیادہ شادی کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس کو بھی تہذیب جدید نے بڑے زور شور کے ساتھ جہالت کا قانون قرار دیا ہے مگر تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلام کا یہ اصول انسانی فطرت کا عین تقاضا ہے، کیونکہ چند روز جیت کے قانون کو ختم کرنا دراصل درجنوں غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولنا ہے۔

یہاں میں اقوام متحدہ کے ڈیموگرافک سالنامہ ۱۹۵۹ء کا حوالہ دوں گا۔ اس میں اعدادوشمار کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ جدید دنیا میں جو صورت حال ہے، وہ یہ کہ بچے ''اندر سے کم اور باہر سے زیادہ'' پیدا ہو رہے ہیں، ڈیموگرافک سالنامہ کے مطابق ان ملکوں میں حرامی بچوں کا تناسب ساٹھ فی صدی ہے، اور بعض ممالک مثلاً پناما میں تو چار میں سے تین بچے پادریوں کی مداخلت یا سول میرج رجسٹری کے بغیر ہی پیدا ہو رہے ہیں، یعنی ۷۵ فی صد حرامی بچے، لاطینی امریکہ میں اس قسم کے بچوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ متحدہ اقوام کے اس ڈیموگرافک سالنامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ملکوں میں حرامی بچوں کی پیدائش کا تناسب نفی کے برابر ہے، چنانچہ اس میں بتایا گیا ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) میں ناجائز بچوں کا تناسب ایک فی صدی سے بھی کم ہے، جب کہ متحدہ عرب جمہوریہ تمام مسلم ملکوں میں شاید سب سے زیادہ مغربی تہذیب سے متاثر ہوا ہے، مسلم ممالک دور جدید کی اس عام وبا سے محفوظ کیوں ہیں، اس کا جواب متحدہ اقوام کا سالنامہ مرتب کرنے والے اڈیٹروں نے یہ دیا ہے کہ چونکہ مسلم ممالک میں چند زوجیت (POLYGAMY) کا رواج ہے، اس لئے وہاں ناجائز ولادتوں کا بازار گرم نہیں ہے، چند زوجیت کے اصول نے مسلم ملکوں کو وقت کے اس طوفان سے بچا لیا ہے

(''MORE OUT THAN IN'' مطبوعہ ہندوستان ٹائمس ۱۲، ستمبر ۱۹۶۰ء) اس طرح تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ سابق خدائی اصول ہی زیادہ صحیح اور مبنی بر حقیقت تھا۔ (جاری)

ناسا(NASA) کی تصاویر کی حقیقت

(ڈاکٹرعبدالغنی فاروق)

اب آیئے دیکھتے ہیں کہ امریکی خلائی تحقیقاتی ادارے ناسا کی دوربین ہبل نے جو تصاویر گزشتہ برسوں میں فراہم کی ہیں اور اخبارات میں شائع ہوئی ہیں، اُن کی حقیقت کیا ہے؟

امریکی ماہر فلکیات ایڈون پاول ہبل نے ۱۹۲۰ء میں یہ نظریہ پیش کیا کہ ہماری کہکشاں سے آگے کائنات خالی نہیں بلکہ وہاں بے شمار کہکشائیں موجود ہیں۔ ہبل (Hubble) ۱۹۵۳ء میں ۶۴ برس کی عمر میں وفات پا گیا۔ بعد میں اس نظریے پر تحقیق جاری رہی اور اسی حوالے سے ۱۹۹۰ء میں امریکی خلائی ادارہ ناسا نے خلائی شٹل ''ڈسکوری'' کے ذریعے ایک خلائی دوربین خلا میں بھیجی جس کا نام ایڈون پاول ہبل کے نام پر ''ہبل'' رکھا گیا۔ یہ وہی دوبین ہے جو سب سے پہلے ۱۹۸۶ء میں خلا میں بھیجی گئی تھی، لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد خراب ہوگئی تھی اور اسے بصد مشکل زمین پر اُتار لیا گیا تھا۔

ہبل دوربین زمین سے ۳۸۰ میل دور اپنے مدار میں گردش کر رہی ہے۔ اس میں مختلف وقتوں میں خرابیاں بھی پیدا ہوتی رہی ہیں، لیکن ناسا کے حوصلہ مند سائنس دان اس کی مرمت کرتے رہے ہیں، چنانچہ ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۳ء تک اس دوربین نے تواتر کے ساتھ کائنات کے دور دراز گوشوں (Deep Universe) کی تصاویر حاصل کیں جن سے فلکیات کے بارے میں بڑی ہی حیرت انگیز اور پر اسرار معلومات کا انکشاف ہوا اور ایڈون پاول ہبل کا نقطۂ نظر درست ثابت ہوا۔ ناسا کی طرف سے اعلان ہوا کہ ہبل دوربین کم از کم ۲۰۱۰ء تک مطلوب تصاویر بھیجتی رہے گی، مگر حیرت انگیز طور پر ۲۰۰۴ میں ہبل خراب ہوگئی اور اس نے تاریک کائنات (Deep Universe) کی تصاویر بھیجنی بند کر دیں۔

میں نے اخبارات میں شائع ہونے والی ہبل کی فراہم کردہ تصاویر درجنوں کی تعداد میں محفوظ کی ہیں۔ کھلی آنکھوں سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ تصاویر شعلوں کی ہیں، بھڑکتے ہوئے نیلے، پیلے، سرخ شعلوں کی۔۔۔ لیکن حیرت انگیز طور پر ان تصاویر کے نیچے ناسا کی طرف سے جو تعارفی

جملے (Captions) لکھے نظر آتے ہیں، وہ یوں ہیں ایک ستارہ خودکشی کر رہا ہے، ایک ستارہ پیدا ہو رہا ہے، ایک کہکشاں دوسری کو نگل رہی ہے وغیرہ۔۔۔ میں ذیل میں ان تصویروں کے تعارفی جملے اور متعلقہ خبروں کا خلاصہ درج کر رہا ہوں اور آخر میں ان کے حوالے سے اپنا نتیجہ فکر بیان کروں گا۔ یہ معلومات واقعی چونکا دینے والی ہیں، دہشت زدہ کر دینے والی ہیں:۔

1۔ ایک خبر:۔ کھربوں میل دور سینکڑوں ستارے ٹکرا گئے۔ خوفناک دھماکے ہوئے جن کے بعد سینکڑوں ستارے پھٹ کر بکھر گئے۔ انسانی تاریخ میں پہلی بار اتنی زبردست روشنی پھیلی۔۔۔ عظیم ترین دوربین ہبل نے ریکارڈ کر لیا۔ (نوائے وقت ۱۲ جون ۹۷ء)

2۔ ناسا کی رصد گاہوں کے مطابق خلا میں ہزاروں نئے ستاروں نے جنم لینا شروع کر دیا ہے۔ ماہرین کے مطابق اب تک کیے جانے والے مشاہدے کی رو سے ثابت ہوا ہے کہ کہکشاؤں کے تصادم سے ستارے جنم لیتے ہیں۔ کیونکہ اس وقت خلا میں بے شمار ستاروں کی روشنیاں جھلملاتی ہوئی نظر آ رہی ہیں۔ (''جسارت'' کراچی۔ ۲۴ اکتوبر ۹۷ء)

3۔ ایک خبر:۔ سورج سے تیس کروڑ گنا بھاری بلیک ہول مل گیا۔ بلیک ہول دراصل بہت بڑے بڑے مردہ ستاروں پر مشتمل ہے۔ وہاں کثافت کا یہ عالم ہے کہ اُن کی کشش ثقل روشنی کو بھی اپنے اندر قید کر لیتی ہے۔ یہاں ایسے تنگ علاقے بھی ہیں جن میں خلائی گرد اور گیسیں فوارے کی طرح اُچھل رہی ہیں (''جنگ'' لاہور ۶ نومبر ۹۷ء)

4۔ ایک خبر:۔ ماہرین فلکیات نے آسمان پر ایک روشن ترین ستارہ دریافت کیا ہے جو سورج سے ایک کروڑ گنا (دس ملین گنا) طاقتور اور کئی سو گنا بڑا ہے۔ لاس اینجلس کے ایک اخبار ورلڈ نیوز کے مطابق ایک سائنس دان نے خوفزدہ آواز میں بتایا کہ یہ ستارہ زمین کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس کا نام ''پسٹل سٹار'' رکھا گیا ہے۔ یہ حرارت اور روشنی کے بہت بڑے گولے کی طرح چودہ کروڑ میل قطر پر مشتمل ہے جبکہ اس کے مقابلے میں سورج کا قطر چار لاکھ تیس ہزار میل ہے۔ اس ستارے سے چھ سیکنڈ میں جتنی روشنی اور توانائی خارج ہوتی ہے وہ سورج ایک سال میں خارج کرتا ہے۔۔۔ بہت سے ماہرین فلکیات یہ بات کہتے ہوئے خوف و دہشت سے کانپ

جاتے ہیں کہ یہ ستارہ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ زمین کی طرف بڑھ رہا ہے اور جوں جوں یہ قریب آتا جائے گا زمین کا درجہ حرارت بڑھتا چلا جائے گا۔ (روزنامہ "خبریں" ۸ جنوری ۹۸ء)

5۔ **ایک خبر:**۔ خلائی سائنس دانوں نے عجیب و غریب دھما کہ خیز گاما ریز کا ایک بڑا جمگھٹا دریافت کیا ہے جو زمین سے بارہ کروڑ نوری سال کے فاصلے پر ہے۔ ان میں سے ایک سے دو سیکنڈ میں پیدا ہونے والی روشنی پوری کائنات کی روشنی سے کہیں زیادہ ہے۔ ("خبریں" ۹ مئی ۹۸ء)

(نوری سال؟ اگر ایک جہاز ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے چلے اور ایک سال تک مسلسل چلتا رہے تو یہ ایک نوری سال ہوگا)۔

6۔ **ایک خبر تصویروں کے ساتھ:**۔ کائنات میں عجیب و غریب طاقت کے حامل نئے ستاروں کی دریافت۔ نیوکلیر راکھ سے بنے ہوئے نئے ستارے سورج سے آٹھ گنا بڑے ستاروں کی توڑ پھوڑ سے پیدا ہوئے۔ ایک ستارے کا حجم 12 میل اور مادہ سورج سے زیادہ ہے۔ مادے کا ایک چمچ زمین کے اربوں ٹن کے برابر ہے۔ (نوائے وقت ۱۹ اکتوبر ۹۸ء)

7۔ **ہولناک شعلے کی تصویر**، سپر ہاٹ (غیر معمولی گرم) قسم کے یہ ستارے انتہائی نایاب ہیں اور ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔ (نوائے وقت ۱۷ اکتوبر ۹۸ء)

8۔ **نیلے، پیلے، سرخ، سیاہ اور سفید شعلے کی پھیلی ہوئی تصویر:**۔ اس کے نیچے یہ مضحکہ خیز تعارفی سطور ہیں: ہماری کہکشاں میں ایک نیا ستارہ پیدائش کے عمل سے گزر رہا ہے ستارہ پیدا ہونے کی یہ تصویر چلّی میں نصب ایک بہت بڑی دوربین سے لی گئی۔ (نوائے وقت ۲ دسمبر ۹۸ء)

9۔ ماہرین فلکیات نے پہلی بار گاما ریز دھماکوں سے روشنی نکلتے ہوئے دیکھی ہے۔ یہ اپنی قسم کے پراسرار اور طاقتور دھماکے ہیں جو کائنات کی تہوں میں باقاعدگی سے ہلچل مچاتے ہیں۔ تقریباً ایک سو سیکنڈ تک جاری رہنے والے دھماکے کا پتہ دو مواصلاتی سیاروں نے چلایا اور یہ کھربوں سورجوں سے نکلنے والی توانائی کی برابر ہے۔ ("نوائے وقت" ۲۹ جنوری ۱۹۹۹ء)

10۔ **سرخ، پیلے اور سیاہ رنگوں میں گھری ہوئی واضح شعلوں کی تصویر**۔ اس کا عنوان ہے "ستارے کی خودکشی" تصویر کے نیچے تعارفی جملے یوں ہیں: ہبل خلائی دوربین نے ایک پڑوسی

کہکشاں میں واقع ایک بہت بڑے ستارے (سپر نووا) کی خودکشی کی یہ تصویر لی ہے۔ستارے کے ازخود تباہ ہونے کا منظر ۲۳ فروری ۱۹۸۷ء کو جنوبی کرۂ ارض میں سائنس دانوں نے مشاہدہ کیا تھا۔سپر نووا کی تباہی کا عمل طویل عرصہ تک جاری رہتا ہے۔(''نوائے وقت'' لاہور ۱۰ فروری ۱۹۹۹ء)

11۔مختلف رنگوں پر مشتمل ایک تصویر اور اس میں روشنیوں کی چکا چوند۔۔نیچے لکھا ہے اس تصویر میں دیئے گئے مقام پر بڑے بڑے سورج پھٹ رہے ہیں۔اس مقام کو ماہرین فلکیات ''موج 301'' کے نام سے پکارتے ہیں۔موج 301 کے اکثر سورج اپنی عمر پوری کر کے پھٹ کر سپر نووا میں تبدیل ہو چکے ہیں۔یہ پھٹے ہوئے سورج اپنے اطراف میں تین سو میل فی سیکنڈ کے حساب سے مواد بکھیر رہے ہیں۔ (روزنامہ پاکستان 18 اپریل 1999ء)

12۔ایک خبر:۔ہبل سپیس دوربین نے تین متحرک کہکشاؤں کی تصویر اتاری جو ایک دوسرے کے قریب ناچتی نظر آتی ہیں۔منظر انتہائی خوبصورت ہے۔اگر کبھی ان کے گھومنے کی رفتار میں کمی آ گئی تو آپس میں ٹکرا کر ایک دوسری میں مدغم ہو سکتی ہیں۔یہ تینوں کہکشائیں مرغولوں کی صورت میں ہیں۔(روزنامہ ''دن'' ۸ ستمبر ۹۹ء)

13۔سیاہ اور براؤن رنگ کی عجیب خوفناک،ڈراؤنی تصویر کے نیچے لکھا ہے:ناسا کی ہبل دوربین نے کارینا نامی نبولا (Nebola) کے اندر موجود کروڑوں اربوں میل لمبے چوڑے پراسرار اور پیچیدہ جسم کی تفصیل پر مبنی تصویر حاصل کی ہے۔یہ پراسرار جسم پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا تھا۔۔۔اس نبولا میں ایسے بہت سے سورج ہیں جو ہمارے سورج سے دس گنا زیادہ گرم اور سو گنا بڑے ہیں''(''دن'' لاہور ۴ فروری ۲۰۰۰ء)

14۔ایک خبر:۔سائنس دانوں نے ایک کہکشاں میں ایک مقناطیسی بلبلہ دریافت کیا ہے اور اس پر وہ حیران رہ گئے ہیں کہ یہ بلبلہ کیسے بنا؟ ''یہ کہکشاؤں کی نئی خصوصیت ہے جس کا ہمیں پہلے علم نہ تھا''۔(روزنامہ ''دن'' ۱۹ اپریل ۲۰۰۰)

15۔ایک خبر اور تصویر:ایک اور بلیک ہول دریافت۔سینکڑوں نوری سال بلند بلبلے اُٹھ رہے ہیں۔بلبلوں کی لمبائی،چوڑائی آٹھ آٹھ سو نوری سال کے برابر ہے۔گرد کے دھبوں کے

نیچے سے اُٹھ رہے ہیں ۔ سائنس دان بلبلے دیکھ کر حیران رہ گئے ۔ اپنی نوعیت کا واحد بلیک ہول جس میں گیس کی مقدار بے پناہ ہے ۔ تصویر میں ایک سرخ شعلہ بلند ہوتا ہوا نظر آ رہا ہے ۔

(روزنامہ ''ڈان'' لاہور ۷ جون ۲۰۰۰ء)

16 ۔ ہماری کہکشاں میں اگر چہ ایک ارب سے زیادہ ستارے ہیں لیکن مجموعی طور پر یہ نسبتاً خاموش اور کم عمل کہکشاں ہے ۔ اس کے مقابلے میں ''سین ٹارس'' کہکشاں کے مرکز میں بڑے پیمانے پر دھماکے ہو رہے ہیں ۔ ابھی پتہ نہیں چلا کہ اِس قدر غیر معمولی توانائی کا ماخذ کیا ہے ۔

(روزنامہ ''ڈان'' ۲۵ جون ۲۰۰۰ء)

17 ۔ گہرے سرخ رنگ کی تصویر جس میں پیلے اور سفید دھبے ہیں ۔ نیچے لکھا ہے ''ناسا کی جاری کردہ تصویر میں باہم متصادم دو کہکشاؤں کے مرکزی حصے کو دکھایا گیا ہے ۔ درجنوں روشن نقطے وہ نیوٹران سٹار (بلیک ہول) ہیں جو نزدیکی سورجوں سے روشنی کھینچ رہے ہیں ۔ روشن قطعہ عظیم بلبلے ہیں جن کی چوڑائی ہزاروں نوری سال پر مشتمل ہے ۔ یہ بلبلے ہزاروں سپر نوواز کی اجتماعی طاقت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں ۔ (''پاکستان'' ۱۸ اگست ۲۰۰۰ء)

18 ۔ زمین سے چھ سو نوری سال کے فاصلے پر ایک ایسا غیر معمولی قسم کا بلیک ہول دریافت ہوا ہے جہاں وقت تھم جاتا ہے، خلا بے معنی اور روشنی قید ہو جاتی ہے ۔

(روزنامہ ''پاکستان'' ۵ ستمبر ۲۰۰۰ء)

19 ۔ **تین تصویریں مع وضاحتی خبر:** خلاؤں میں روپوش ایم ۱۶ ایگل نبولا کو ہبل کی خلائی دوربین نے ۱۹۹۶ء میں دریافت کیا ۔ جب ماہرِ فلکیات پیٹر نے ہبل کی تصاویر کا تجزیہ کیا ۔ پیٹر نے دیکھا کہ تصویروں میں چھوٹے چھوٹے مدار ستاروں کا گروہ موجود ہے اور یہاں سے گیسیں اُٹھ رہی ہیں جو جمی ہوئی ہائیڈروجن کے ستونوں سے بیرونی ریڈی ایشن کی وجہ سے منتج ہے ۔ ماہرین نے بتایا ہے کہ ایگل نبولا کے ستونوں سے نکلنے والی گیسیں رنگین ہیں اور ان کا درجہ حرارت 250 سے K320 ہے ۔ ہاتھی کی سونڈ کی مانند ان ستونوں کے درمیان موجود مادوں سے ستارے تشکیل پا رہے ہیں ۔ ایگل نبولا زمین سے سات ہزار نوری سال کے فاصلے پر ہے اور اس

کے اندر کل مادہ میں سے ۲۰ فیصد غاروں کی شکل اختیار کر رہا ہے۔

("نوائے وقت" ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۰)

20۔ایک خبر:۔ملکی وے گلیکسی اربوں سال سے چھوٹی کہکشاؤں کو نگل رہی ہے۔پوری گلیکسی اپنے مرکزی کے گرد خاص ردھم کے ساتھ حرکت پذیر ہے۔

("نوائے وقت" ۱۰ جنوری ۲۰۰۱ء)

21۔ایک تصویر:۔سرخ، سیاہ اور سفید رنگ، عظیم الجثہ بلبلہ نما جسم، پاس ایک بھڑکتا ہوا غیر معمولی شعلہ۔نیچے لکھا ہے: امریکی خلائی ادارے ناسا کی جاری کردہ تصویر جہاں انتہائی روشن نومولود ستارے نظر آرہے ہیں جو نیبولا (N83B) میں شدید تابکاری کے باعث دائرہ نما بلبلے خارج کر رہے ہیں۔تصویر میں بہت زیادہ روشن حصے کے بالکل نیچے نیبولہ کے مرکز میں واقع بے ضرر سا نظر آنے والا ستارہ حقیقت میں ہمارے سورج سے تیس گنا بڑا اور اس سے دو لاکھ بار زیادہ روشن ہے۔ ("جنگ" لاہور ۲۹ مارچ ۲۰۰۱ء)

22۔روزنامہ جنگ لاہور کے سنڈے میگزین مورخہ ۶ مئی ۲۰۰۱ء میں ایک مضمون شائع ہوا تھا۔عنوان ہے "ایک ستارے کی موت"۔بظاہر یہ کسی انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے۔ساتھ تین تصویریں بھی ہیں جو دہکتے ہوئے مواد کی عکاسی کرتی ہیں۔اس مضمون کے بعض فقرے معنی خیز اور غور طلب ہیں۔ملاحظہ ہوں:۔

"ہماری اس پوری کہکشاں میں ہر پل ستارے بنتے ہیں، اپنی عمر پوری کرتے ہیں اور پھر فنا ہوجاتے ہیں"۔

"بڑے ستارے، ستاروں کے اس گروہ کو کہتے ہیں جن کی کمیت دس سورجوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ایسے ستارے غیر معمولی انجام سے دوچار ہوتے ہیں جس کا نظارہ دیدنی قرار دیا جا سکتا ہے۔ایسے میں ان کا حجم بڑھنا شروع ہوجاتا ہے اور یہ ہیئت میں کسی سرخ عفریت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔جہاں ان کی بیرونی پرت ٹھنڈی ہونے کے ساتھ ساتھ پھیلنا شروع ہوجاتی ہے۔بالآخر ان کا مرکزی حصہ جسے مرکزہ کہتے ہیں، ایک عظیم دھماکے کے ساتھ پھٹ پڑتا ہے۔

یہ دھما کا اس قدر شدید ہوتا ہے کہ بالائے فضا اس کی دھمک دور دور تک محسوس ہوتی ہے۔اس دھما کے کو سپر نووا کہا جاتا ہے (سپر نووا ایک انفجاری ستارہ جس کے پھٹنے سے ہمارے سورج کی روشنی سے ایک سوملین (یعنی ایک کروڑ گنا) سے بھی زیادہ روشنی پیدا ہوتی ہے)۔

23۔ پیچ در پیچ گھنے شعلوں کی تصویر۔ نیچے لکھا ہے "زمین سے ایک لاکھ ستر ہزار نوری برس کے فاصلے پر ملکی وے کہکشاں میں واقع نبولا۔اس میں گیسوں اور گرد و غبار پر مبنی وسیع علاقہ نظر آ رہا ہے۔یہاں ہزاروں ستارے جنم لے رہے ہیں۔ ("جنگ" ۲۸ جولائی ۲۰۰۱ء)

24۔ سرخ، زرد، نیلے، نارنجی اور سفید رنگوں میں ایک کیکڑا نما شعلہ۔ نیچے لکھا ہے "ریڈ سپائڈر نبولا" تین ہزار نوری فاصلے پر۔اس نبولا میں سرخ رنگ کے گندھک کے آئنز یعنی برق پارے نارنجی رنگ میں نائٹروجن آئنز، سبز رنگ میں ہائیڈروجن آئنز، ہلکے نیلے رنگ میں معمول کی آکسیجن، جبکہ گہرے نیلے رنگ میں آئنائزڈ آکسیجن دکھائی دے رہی ہے۔یہ تصویر ہبل ٹیلی سکوپ نے حاصل کی ہے۔ ("نوائے وقت" ۳۰ جولائی ۲۰۰۱)

25۔ ایک تصویر اور خبر:۔ راٹن ایگ نبولا (Rotten Egg Nebola) کی دریافت (ایک بادل نما انبار جس میں سے گلے سڑے انڈے کی بدبو آ رہی ہے) کاش انسان خلا میں سونگھ سکتا تو گندھک کے جلنے کی ناقابل برداشت بو اسے راٹن ایگ نبولا کی طرف رہنمائی کرتی۔یہ نبولا ۱۴۴۱ نوری سال پر محیط ہے۔سائنس دانوں نے "ہبل" کی فراہم کردہ اس تصویر کا تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ "نبولا" کے مرکزہ سے نکلنے والی گیس مختلف تہوں اور رنگوں پر مشتمل ہے۔گاڑھا سنہری رنگ دراصل وہ مواد ہے جس کا ستارے کے مرکز سے حال ہی میں اخراج ہوا ہے اور اس کی رفتار کروڑوں میل فی گھنٹہ ہے۔یہ گیس اندر پھیلتی ہے اور نیلے رنگ میں دکھائی دینے والے سست رفتار مواد کو گرماتی ہے۔ ("نوائے وقت" ۱۳ اگست ۲۰۰۱ء)

26۔ ایک خبر:۔ ماہرین فلکیات نے کہا ہے کہ کائنات کے دور دراز گوشے میں غیر معمولی جسامت کا ایک بلیک ہول ہے جو ستاروں کو اُن کی روشنیوں سمیت نگل جاتا ہے۔سائنس دانوں نے بعض ستاروں کو پچاس لاکھ کلومیٹر فی گھنٹہ کی ناقابل تصور رفتار سے بلیک ہول کی طرف

بڑھتے اور معدوم ہوتے ہوئے دیکھا۔اس کا رقبہ ہمارے سورج سے ۲۶ لاکھ گنا بڑا ہے۔

(روزنامہ ''پاکستان'' ۲ ستمبر ۲۰۰۱ء)

27۔ایک تصویر میں دو روشنیاں:۔ایک نیم دائرے کی صورت میں، دوسری لکیر کی شکل میں۔ نیچے لکھا ہے ''ناسا ہبل ٹیلی سکوپ نے ۱۸ اگست کو یہ تصویر کھینچی ہے۔اس میں پہلی بار ایک بڑی گلیکسی کو چھوٹی گلیکسی کو نگلتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے''۔(''نوائے وقت'' ۱۰ اگست ۲۰۰۳ء)

28۔ایک خبر:۔بلیک ہول کی آواز سن لی گئی۔ماہرین فلکیات پہلی بار خلا میں واقع ایک بہت بڑے بلیک ہول سے برآمد ہونے والی آواز کو سننے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ناسا کے ماہرین نے اسے ایک عظیم ترین کامیابی قرار دیتے ہوئے یقین ظاہر کیا ہے کہ اس سے ایک بہت بڑے سائنسی راز کے افشا ہونے میں مدد ملے گی۔بلیک ہول سے برآمد ہونے والی مذکورہ آواز کا زیر و بم اتنا گہرا ہے کہ انسانی قوتِ سماعت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

(روزنامہ ''اُمت'' ۱۱ ستمبر ۲۰۰۳ء)

قارئین گرامی! آپ نے یہ خبریں مطالعہ فرمائیں۔یہ کائنات کے دور دراز گوشوں (Deep Universe) کے حوالے سے بڑی ہی نادر و نایاب معلومات ہیں اور ہمیں ان سائنسدانوں اور اہل کمال کا شکر گزار رہنا چاہیے جنہوں نے فلکیات کے بعید ترین گوشوں کی جھلکیاں ہم تک پہنچا دیں۔یہ خبریں پڑھتے ہوئے اور تصویریں دیکھتے ہوئے میں بار بار غور کرتا رہا کہ سائنس دانوں نے ایک خاص حوالے سے معلومات تو یقیناً بے مثال نوعیت کی حاصل کر لیں، مگر افسوس وہ اپنی کوتاہی فکر کی وجہ سے صحیح نتائج تک نہ پہنچ سکے۔یہ تصاویر دیکھ کر اور خبریں پڑھ کر صاف محسوس ہوتا ہے کہ کائنات کے جس گوشے اور علاقے کی اس میں عکاسی کی گئی ہے، وہ جہنم کا علاقہ ہے۔یہ تصویریں جن کے نیچے ''پیدا ہوتے ہوئے ستارے'' ''مرتے ہوئے ستارے'' اور ''خودکشی کرتا ہوا ستارہ'' کے تعارفی کلمات لکھے ہوئے ہیں، واضح طور پر بھڑکتے ہوئے، پیچ و تاب کھاتے ہوئے شعلوں کی تصویریں ہیں۔کوئی ان سے پوچھے کہ کیا ستارے بکری یا گائے کے بچے ہیں کہ انہیں پیدا ہوتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے یا وہ کوئی انسان یا حیوان ہیں کہ اُن کے

عالمِ نزع کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ شعلوں کی تصویریں ہیں اور یہ لازماً جہنم کے شعلے ہیں۔

یوں لگتا ہے کہ دنیا کی سب سے طاقتور دوربین نے زمین سے کروڑوں نوری میل کے فاصلے سے کائنات کے دور دراز گوشوں کی جو تصاویر حاصل کی ہیں۔ اُن میں مختلف زاویوں سے جہنم کے کچھ مناظر محفوظ ہو گئے ہیں۔ بھڑکتے، دہکتے، چنگھاڑتے جہنم کے مختلف گوشوں کو ان سائنس دانوں نے کہکشاں (گلیکسی) کا نام دیا ہے جہاں ان غیر معمولی جسامت کے شعلوں کا دھواں یا فضا میں تحلیل ہوتی ہوئی باقیات نظر آتی ہیں۔۔۔ لیکن اُنہوں نے تعبیر یہ کی کہ "ستارہ مر رہا ہے" یا "خودکشی کر رہا ہے"۔۔۔ تحلیل ہوتے ہوئے شعلوں اور دھوئیں سے اُنہوں نے اندازہ کر لیا کہ "سپر ہاٹ" ستاروں کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔

جہنم کے ان علاقوں سے دھوئیں اور گیسوں کے مرغولے اُٹھتے ہیں، غیر معمولی چنگھاڑ کی آوازیں آتی ہیں، شعلے آپس میں گتھم گتھا ہوتے ہیں، تو سائنسدان فرض کر لیتے ہیں کہ وہ دو کہکشائیں ایک دوسری کو نگل رہی ہیں یا بڑے بڑے سورج پھٹ رہے ہیں۔ "حمیم" اور "غسلین" کی جھیلوں میں دیوہیکل بلبلے پیدا ہوتے ہیں، تو سائنس دان پریشان ہو جاتے ہیں، اُن کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس کی کیا تعبیر کریں۔

جہنم کے گڑھوں سے بے پناہ گرج کی آوازیں آتی ہیں۔۔۔ یہاں ہائیڈروجن گیس کے مہیب ستون ہیں اور قرآن میں بھی آگ کے ستونوں کا ذکر ہے۔ دیکھیے سورہ ہمزہ نمبر ۱۰۴ (آیات کا ترجمہ) "وہ سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ اُس کے پاس رہے گا۔ ہرگز نہیں وہ شخص تو چکنا چور کر دینے والی جگہ میں پھینک دیا جائے گا اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ؟ اللہ کی آگ، خوب بھڑکائی ہوئی، جو دلوں تک پہنچے گی۔ وہ اُن پر ڈھانک کر بند کر دی جائے گی (اس حالت میں کہ وہ) اونچے اونچے ستونوں میں گھرے ہوئے ہوں گے")۔

امریکہ اور یورپ کے سائنس دانوں کا المیہ یہ ہے کہ وہ انفس و آفاق کی غیر معمولی معلومات رکھنے کے باوجود اور ہر جانب ایک شاندار، بے مثال اور محیّر العقول نظام کی کارفرمائی دیکھنے کے باوصف وہ اس سب کچھ کو محض اتفاق قرار دیتے ہیں اور اہل کتاب ہونے کے باوجود وہ یہ ادراک

کرنے سے معذور ہیں کہ یہ کائنات کسی حادثے یا اتفاق کے نتیجے میں معرض وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کے **حیّ و قیوم** خالق نے اسے بڑی حکمت کے ساتھ، ایک خاص منصوبے اور پلان کے مطابق تخلیق کیا ہے۔ وہ انسانوں کو بے مثال صلاحیتوں کے ساتھ، بے حد وحساب وسائل فراہم کر کے اس دنیا میں ایک محدود مدت کیلئے محض امتحان کی خاطر بھیجتا ہے۔۔۔اور پھر ایک وقت آتا ہے جب لازماً اُن پر موت وارد ہو جاتی ہے اور کوئی شخص خواہ کتنے ہی لامحدود اور غیر معمولی اختیارات کا مالک ہو یا اپنے غیر معمولی کردار اور حیثیت کی وجہ سے وہ انسانیت کیلئے خواہ وہ کتنا ہی اہم اور ناگزیر کیوں نہ ہو، بہر حال اُس کا مادی وجود ختم ہو کے رہتا ہے (لیکن اُس کی روح زندہ و محفوظ رکھی جاتی ہے)۔۔۔اور پھر جیسا کہ سارے نبیوں نے اس کی تعلیم دی، توریت، زبور اور انجیل نے اس کی تصدیق کی اور آخری الہامی کتاب۔قرآن پاک۔ میں اس کا تفصیل اور تکرار کے ساتھ ذکر موجود ہے کہ ایک روز لازماً قیامت برپا ہوگی۔ یہ دنیا ختم کر دی جائے گی، اس کے بعد حشر بپا ہوگا، تاریخ انسانی کے ہر فرد بشر کو اپنے مادی جسم کے ساتھ دوبارہ زندہ کیا جائے گا، اس کے ایک ایک عمل کا حساب ہوگا۔ پھر اگر اُس نے خوش قسمتی سے اللہ کی رضا حاصل کر لی تو اُسے غیر معمولی نعمتوں اور راحتوں سے آراستہ باغوں میں داخل کیا جائے گا اور اگر خدانخواستہ وہ میزانِ عدل پر پورا نہ اُترا تو اُسے سزا اور تعذیب کے حوالے کر دیا جائے گا۔

عقوبت کے اس مقام کا نام جہنم ہے۔قرآن پاک اور مستند احادیث کے مطابق جب یہ دنیا تخلیق کی گئی تھی تو اُس کے ساتھ ہی جنت اور جہنم بھی معرضِ وجود میں آ گئے تھے۔ وہ ہمیشہ سے موجود ہیں لیکن انسان کی نظروں سے بہت دور کائنات کے دور دراز گوشوں میں مستور رکھے گئے ہیں۔ (جاری)

☆☆☆☆

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی انفرادیت

1۔ دوسرے سلسلوں کی روحانی معراج اور آخری منزل کشف و کرامات کا حصول ہے لیکن ہمارے سلسلہ میں اُنکی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہمارے سلسلہ کا آخری مقصد اللہ کا قرب، عرفان اور لقاء کا حصول ہے۔

2۔ بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی کرامات برحق اور انکی دعاؤں کی مقبولیت مسلم لیکن ہم مشکل کشاء اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے ہیں۔

3۔ موجودہ دور کی مصروف زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے مختصر اور سہل اوراد و اذکار تلقین کیئے جاتے ہیں۔

4۔ ہمارے سلسلہ میں مجاہدہ کیلئے غصہ اور نفرت کو مکمل طور پر نفی کرنے اور عالمگیر محبت اور صداقت کو اختیار کرنے کی مشق کروائی جاتی ہے۔ یہ تربیت گھر کی چاردیواری کے اندر احسن طریقے سے ہوسکتی ہے۔

5۔ بانی سلسلہ توحیدیہ کے وصیت نامہ کے مطابق سلسلہ توحیدیہ کے روحانی پیشوا کا منصب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غیر وارثتی ہوگا۔

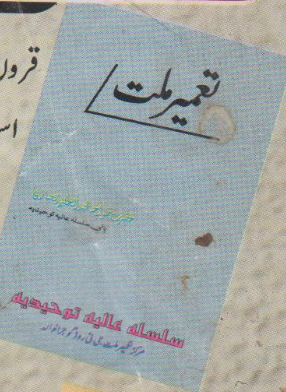
6۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم مذہبی گروہ بندیوں اور فرقہ واریت سے بالاتر اور وسعت قلب و نظر کی مظہر ہے۔

7۔ ہمارے سلسلہ میں مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے اندھا دھند بیعت نہیں کیا جاتا ہر شخص کو بیعت کرنے سے پہلے کم از کم چھ ماہ طالب رکھا جاتا ہے تاکہ وہ جماعت کے مقاصد سے اچھی طرح آگاہ ہو کر داخل سلسلہ ہو۔

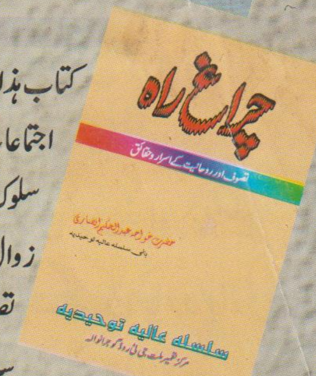
8۔ سلسلہ توحیدیہ میں متوازی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ جس میں نہ تو دنیا کو ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی اِس میں غرق ہو جانے کی۔

Monthly FALAH-E-ADMIYYAT

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



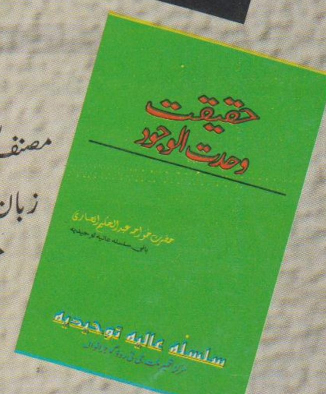
قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہیے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے
ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان
زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین
کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا
اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں

Website: www.toheedia.net